Scanned with CamScanner

جمال احسانی کی غزل: فکری اور اُسلوبی مطالعہ

نام: اویس منیر

سیشن: 2018-2020

رول نمبر: 0626-MPHIL-U-18

شعبۂ اُردو

جی سی یونیورسٹی، لاہور

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کی غزل: فکری اور اُسلوبی مطالعہ

یہ مقالہ ایم۔ فل اُردو کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں جی سی
یونیورسٹی، لاہور کو سند عطا کیے جانے کے لیے پیش کیا گیا۔

ایم۔فل

مضمون

اُردو

نام: اویس منیر

سیشن: 2018-2020

رول نمبر: 0626-MPHIL-U-18

شعبۂ اُردو

جی سی یونیورسٹی، لاہور

Scanned with CamScanner

تصدیق برائے تکمیل مقالہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ زیرِ نظر مقالہ بعنوان

''جمال احسانی کی غزل: فکری اور اُسلوبی مطالعہ''

اویس منیر رول نمبر 0626-MPHIL-U-18

نے ایم۔فل اُردو کی سند کے حصول کے لیئے میری زیرِ نگرانی مکمل کیا۔

تاریخ: _____

نگرانِ مقالہ:

ڈاکٹر سفیر حیدر

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو

جی سی یونیورسٹی، لاہور

بتوسط:

کنٹرولر امتحانات:

جی سی یونیورسٹی، لاہور

صدرِ شعبۂ اُردو

جی سی یونیورسٹی، لاہور

Scanned with CamScanner

اقرار نامہ

میں اویس منیر رول نمبر 0626-MPHIL-U-18

اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ میں پیش کیا جانے والا مواد بعنوان

''جمال احسانی کی غزل: فکری اور اُسلوبی مطالعہ''

میری ذاتی کاوش ہے اور یہ کام پاکستان یا پاکستان سے باہر کسی بھی تحقیقی یا تعلیمی ادارے کی طرف سے شائع، طبع یا پیش نہیں کیا گیا۔

دستخط مقالہ نگار: تاریخ: _____

اویس منیر

Scanned with CamScanner

انتساب:

اُن کومل جذبوں

کے نام

جو محبت کے بطن سے پھوٹتے ہیں۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

فہرست

''جمال احسانی کی غزل: فکری اور اُسلوبی مطالعہ''

عنوان	صفحہ نمبر
● پیش لفظ	i
باب اوّل: جمال احسانی احوال و آثار	۱
باب دوم: جمال احسانی کی غزل کی فکری جہات	۳۰
باب سوم: جمال احسانی کی غزل کا اُسلوبی مطالعہ	۸۲
باب چہارم: جمال احسانی کی غزل کا معاصر شعراء سے تقابلی جائزہ	۱۱۶
● محاکمہ	۱۴۳
● کتابیات	۱۴۷

☆☆☆

Scanned with CamScanner

پیش لفظ

اچھی صحبت میں رہنا اور اعلیٰ تعلیمی درس گاہوں سے کسب فیض پانا ہر طالب علم کی خواہش ہوتی اور بنیادی ضروریات میں بھی اس کا شمار ہے اور ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اُولاد بہترین اداروں سے فارغ التحصیل ہو کر سماج میں جا کر اچھا انسان بنے اور اسی تگ و دو میں اپنی اُولاد کے درخشاں مستقبل کے خواب اپنی آنکھوں میں سجاتے ہیں۔ بی۔اے کرنے کے بعد میرے والدین نے بھی مجھے ملک کی تاریخی دانش گاہ گورنمنٹ کالج لاہور جو کہ اب گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کے نام سے معروف ہے اور جس کے دو عظیم مینار اس کی ۱۵۴ سالہ عظیم ادبی علمی فکری اور شخصیت سازی کی تاریخ اور روشن روایات کے آئینہ دار ہیں میں ایم۔اے اُردو میں داخلہ دلوایا۔ ایم۔ اے اُردو کے بعد اس ادارے سے ایم۔ فِل اُردو کرنے کا موقع ملا۔ ایم۔ اے اُردو کرنے کے بعد اس ادارے سے ایم۔فل اُردو کرنا دوبارہ اس عظیم روایت کا حصہ بننا میرے لیے کسی خوش بختی سے کم نہیں۔

شاعری کائنات کی ان چیزوں میں سے ہے جو مجھے محسور کر دیتی ہیں۔شعر و ادب سے رجحان شروع ہی سے تھا۔ اسی رجحان کے باعث مجھے مقالہ لکھنے کا موقع ملا۔ چونکہ میری دلچسپی شاعری سے تھی لہٰذا اسی دلچسپی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرے نگران کار ڈاکٹر سید سفیر حیدر نے مجھے جمال احسانی کی شاعری کے حوالے سے موضوع تفویض کیا۔ جمال احسانی جدید شعراء میں ہمہ جہت شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی مقبولیت کا سبب شاعری ہے۔ اس لیے میں ان کے شعری کلیات کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی غزل کا فکری و اُسلوبی مطالعہ کرنے کی سعی کی ہے۔ زیرِ نظر مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں پیدائش، خاندانی پس منظر، تعلیم کا مرحلہ، ملازمت و مشاغل، ادبی زندگی، ازدواجی زندگی، اعزازات، شخصیت، سیرت و عادات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسرا باب ''جمال احسانی کی غزل کی فکری جہات'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں جدید اُردو غزل کی روایت کا مختصر جائزہ لینے کے بعد جمال احسانی کی غزل کے فکری پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ان کی غزل کا کوئی پہلو مخفی نہ رہے۔ تیسرا باب ''جمال احسانی کی غزل اُسلوبی مطالعہ'' ہے۔ اس باب میں جمال احسانی کی غزل کا فنی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری اپنے فنی و

Scanned with CamScanner

اُسلوبیاتی محاسن کے اعتبار سے جداگانہ اسالیب کی حامل ہے۔ انہوں نے اپنی غزل میں فکر و احساس کے سرمائے کے ساتھ ساتھ اپنے فن کو بھی انفرادیت کے ساتھ برتا۔ چوتھا باب ''جمال احسانی کی غزل کا معاصر شعرا سے تقابلی جائزہ'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں جمال احسانی کی غزل کا اُن کے معاصر شعراء سے تقابل کر کے ان کی شعری انفرادیت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ محاصل و نتائج میں جمال احسانی کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا شعروادب میں مقام و مرتبہ متعین کیا گیا ہے۔

تحقیق کی وادی میں داخل ہوتے ہی مشکلات کے پہاڑ اُمڈ آتے ہیں لیکن اللہ کے فضل و کرم سے سب آسان ہوگیا اور اگر کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑا تو وہ ذاتی سستی تھی۔ اگر انسان ہمت سے کام لے تو اللہ بھی ساتھ دیتا ہے۔ بقول خواجہ حیدر علی آتش:

؎ سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

صد شکر اس خدائے بزرگ و برتر اور کروڑوں درود و سلام ہستی وجہ تخلیق کائنات پر جن کی رحمتوں کے انوار ہمیشہ کی طرح اس مرحلہ شوق میں بھی مجھ پر برستے رہے۔

اس مقالے کو پایہ تکمیل تک پہچانے اور میری محنت کو ثمر بار کرنے میں کئی ایسی ہستیاں ہیں جن کی ہدایات تعاون اور رہنمائی کے بغیر اس مقالے کا مکمل ہونا ناممکن تھا۔ ان قابل احترام ہستیوں میں سب سے مقدم میرے نگران کار کی ذات گرامی ہے۔ مجھے اس مقالے کو قلمبند کرنے میں مشفق و مکرم ڈاکٹر سفیر حیدر صاحب کی شفقت آمیز لہجہ، ہدایت اور رہنمائی حاصل رہی۔ میں شعبۂ اُردو کے دیگر اساتذہ کرام پروفیسر ڈاکٹر صائمہ ارم صاحبہ (صدر شعبۂ اُردو) ڈاکٹر فرزانہ ریاض صاحبہ، ڈاکٹر سیدہ مصباح رضوی صاحبہ، ڈاکٹر الماس خانم صاحبہ کے لیے سراپا سپاس ہوں جنہوں نے حصول تعلیم کے اس سفر میں ہر موڑ پر میری رہنمائی فرمائی اور میرے ذہن و فکر کو جلا بخشی۔

میرے اہل خانہ بھی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے گھر میں مجھے علمی ماحول فراہم کیا اور میرے مقالے کے ضمن میں بار بار مجھ سے استفسار کرتے رہے اور حوصلہ افزائی سے نوازتے رہے۔ والدین کی محبتوں کا ہمیشہ مقروض رہوں گا جنہوں نے تعلیمی مساعی میں میری مدد اور رہنمائی فرمائی اور ہر سہولت اور ذہنی یکسوئی بہم پہنچائی۔ انہیں کی دعاؤں کی وجہ سے وجہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منزل سے ہمکنار کیا ہے۔

میں مخدوم صاحبزادہ حسن نواز شاہ صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی

Scanned with CamScanner

کی میرے لیے مواد کی فراہمی کو آسان بنایا۔ انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے مجھے کئی کتب عنائیت کیں جس کی وجہ سے میرے مقالے کا مرحلہ آسان تر ہو گیا۔ میں محترم ہلال عثمانی صاحب (کراچی) اور ڈاکٹر فاطمہ حسن صاحبہ (کراچی) کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے جمال احسانی کے بارے میں بنیادی معلومات اور مواد فراہم کیا۔ میری مادر علمی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی نے مجھے زندگی کے سب سے پیارے دوست دیے جن کے ساتھ دو سال کا وقت چند لمحوں میں بیت گیا۔ ان دوستوں میں قمر الزمان، حافظ ذیشان حیدر، حافظ اصغر، کرن ریاض، حافظہ آمنہ بشیر، سعدیہ کوثر نے وقت پر جو گراں قدر مشورے دیے وہ میرے لیے مشعل راہ اور عصائے موسیٰ ثابت ہوئے۔ میں ان تمام دوستوں کی دُعاؤں اور تعاون پر سراپا سپاس ہوں۔

آخر میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اس مقالے میں اگر کوتاہیاں ہیں تو اس کا ذمہ دار صرف میں ہوں اور اگر کوئی خوبی نظر آئے تو میرے محترم اساتذہ کی کرم فرمائی سمجھئے۔ اپنی غلطیوں کے لیے حافظ کے الفاظ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں:

؎ سہو و خطائے بندہ چو گیرند اعتبار
معنی، عفو و رحمت پروردگار چیست

اویس منیر

جی سی یونیورسٹی، لاہور

☆☆☆

Scanned with CamScanner

باب اوّل:

جمال احسانی احوال و آثار

Scanned with CamScanner

جمال احسانی احوال و آثار

اُردو شاعری کے خوش رنگ چمن میں ہر طرح کے پھول کھلے ہیں خوشبوؤں میں نہائے اور شوخ رنگوں سے مہکتے ملول اداس حُسن کو دامن میں سمیٹے بے چین آنکھوں سے دیکھتے دل کھینچ لینے والے حرفوں کے جادوگر نئے جہانوں کی سیر کراتے خشک لمحات میں زندگی کی تڑپ اور رنگوں کی چمک بھرتے، محبتوں کے سفیر اداسیوں کے اسیر شعراء اور ان میں کبھی کبھی دور کسی گوشے میں مہکتا ہوا کوئی پھول بہتی آوازوں کے ریلے میں رہتے ہوئے ان سب سے جدا ایک آواز ایسے بھی ہوتے ہیں جو آپ کے شعری ذوق یا تجربہ فن کو چھو لیں آپ کی ذات دو حصوں میں تقسیم کرنے پر قادر ہوتے ہیں یعنی ایک حصہ جب آپ اس خوش رنگ مہکتے ہوئے تجربے سے نہیں گزرتے اور دوسرا حصہ: اس کے بعد کی وارفتگی یہ پھول خوشبو سے آپ کے رشتے کو مستحکم کرنے اور یہ آوازیں آپ کا ہاتھ پکڑے جہان شہر میں لے جانے والی ہوا کرتی ہے ایسے ہی چند ناموں میں ایک نام جمال احسانی کا بھی ہے۔ دھیمی دردمند اور اپنے بہاؤ میں بہتی ہوئی شاعری لیے یہ شاعر جب آپ کے ذوق سخن سے کلام کرتا ہے تو ایک بار جیسے وقت ہی کی نہیں خود آپ کی دھڑکن بھی تھم جاتی ہے۔ جمال احسانی کا شمار ایسے ہی بلند قامت شعرا میں ہوتا ہے جن کی اُٹھان بھی پُر وقار ہے اور ان کا شعری سرمایہ بھی پائیدار ہے۔ جمال احسانی ایک شاعر کے طور پر شہرت رکھتے تھے انہوں نے متعدد اخبارات میں کالم بھی لکھے لیکن ان کی شہرت کی وجہ ان کی شاعری بنی۔ جمال احسانی گزشتہ چند برسوں میں اُبھرنے والا ایک ایسا نام ہے جو جدید شاعروں کی صف میں اپنا نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ستارہ سفر'' اپنے نام کے انوکھے پن اور کلام کی تازگی کے سبب گزشتہ دہائی میں شائع ہونے والے شعری مجموعوں میں قابل ذکر کتاب ہے۔ ان کے علاوہ دو شعری مجموعے ''رات کے جاگے ہوئے''، ''تارے کو مہتاب'' کیا ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں ان کی کلیات بھی شائع ہو چکی ہے۔

جمال احسانی کا نام محمد جمال ہے۔ خاندانی نسبت عثمانی ہے۔ احسانی کا لاحقہ اپنے اُستاد احسان امروہوی سے محبت کی وجہ سے اپنایا ہے۔ جمال احسانی ایک وسیع المطالعہ اور بیدار مغز شاعر تھے۔ زندگی نے انہیں جن تلخ و شیریں تجربات عمیق مشاہدات اور نازک احساسات سے گزارا۔ جمال احسانی ان کا عرق کشید کر کے اشعار کے

Scanned with CamScanner

قالب میں ڈھالتے گئے تو ان کی آواز دُنیائے اُردو ادب میں گونجتی چلی گئی۔ ان کے سرمایہ سخن نے جسے قارئین شعر وسخن نہ صرف پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا بلکہ ناقدین فن و ہنر اور مشاہیر ان اُردو ادب نے دادو تحسین سے بھی نوازا۔ ان کی ولادت ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء میں سرگودھا میں ہوئی۔ اپنے یوم پیدائش کے بارے میں اپنے مضمون ''درونِ خانہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''میں ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء کو سرگودھا ہی میں پیدا ہوا۔''[۱]

قیامِ پاکستان کے وقت ان کا خاندان ہندوستان (پانی پت) سے ہجرت کر کے سرگودھا آ گیا۔ ان کے والد ظہور عثمانی اور والدہ اعجاز فاطمہ سرگودھا اس لیے آئے کہ یہاں ان سے پہلے ان کے کچھ عزیز و اقارب پہنچ چکے تھے۔ جمال احسانی اپنے مضمون دُرون خانہ میں اسی بابت لکھتے ہیں ''۱۹۴۷ء کے اواخر میں والدین بھارت کے ایک قصبے پانی پت سے ہجرت کر کے سرگودھا آ بسے جہاں پہلے ہی ان کے دو بڑے بھائی اور دور و نزدیک کے عزیز و اقربا پانی پت سے آ کر جم چکے تھے۔''[۲]

ظہور عثمانی کے گھر میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جمال احسانی کا نمبر پانچواں ہے۔ دو بھائی ان سے چھوٹے ہیں۔ بھائیوں کے نام محمد بلال عثمانی، محمد ہلال عثمانی، مصطفٰے کمال عثمانی ہیں جبکہ بہنوں کے نام عزیزہ، عظیمہ اور نسیمہ ہیں۔ پانی پت میں ایک پورا محلّہ عثمانیوں کا ہے۔ اس سلسلے کے ایک بہت بڑے بزرگ جلال الدین کبیر اولیا ہیں ان کا مزار بھی پانی پت میں ہے۔

اس سلسلے میں جمال احسانی کے چھوٹے بھائی محمد ہلال عثمانی کہتے ہیں:

> ''یہ ایک ہی خاندان ہے۔ ان میں کچھ اپنے نام کے ساتھ قلندری لکھتے ہیں کچھ عثمانی۔ عثمانی اس لیے کہ ان کا سلسلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے قلندری اس لیے کہ مشہور بزرگ بوعلی قلندر رحمتہ اللہ علیہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔''[۳]

جمال احسانی صاحب نے اپنے مضمون ''درون خانہ'' میں غالباً اسی طرف اشارہ کیا ہے:

> ''میرے آباؤ اجداد میں دو تین کے سوا کوئی ایسا بھی نہیں جس کا ذکر کسی تاریخی متن میں تو کیا کسی حاشیے ہی میں آ گیا ہو۔ نمایاں شخصیات میں تین چار اولیاء کرام پانچ سات قرآن پاک کے خوش الحان قاری اور کچھ موذن و امام کہ پانی پت میں یہ طریق عام تھا۔''[۴]

جمال احسانی کے خاندان میں مذہبی تعلیم کے علاوہ دُنیاوی تعلیم کا اتنا رواج نہیں تھا تاہم ان کے والد میٹرک تک تعلیم یافتہ تھے۔ سرگودھا میں آ کر پٹواری کی نوکری ملی۔ ملازمت کے دوران میں ۴۵ سال کی عمر میں

Scanned with CamScanner

ٹی۔ بی کے عارضے سے ان کا انتقال ہوا۔ اس حوالے سے ہلال عثمانی صاحب کہتے ہیں ''والد صاحب کا جب انتقال ہوا اس وقت جمال احسانی کی عمر ۱۰ سال تھی۔'' ۵

والد کی ناگہانی موت کے بعد گھر کی تمام ذمہ داری محمد ہلال عثمانی پر آ پڑی جن کی قربانیوں کا ذکر جمال احسانی ان الفاظ میں کرتے ہیں ''بڑے بھائی گاڑی کھینچتے کھینچتے عمر میں ابا سے بڑے ہو گئے ہیں۔'' ۶

والد کی ناگہانی موت سے ان کا پورا خاندان متاثر ہوا۔

جمال احسانی نے میٹرک کا امتحان رول نمبر ۷۰۴۰۴ کے تحت مارچ ۱۹۶۵ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۲ سرگودھا (لاہور بورڈ) سے آرٹس کے مضامین کے ساتھ تھرڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ انٹر کا امتحان ریگولر سٹوڈنٹ کے طور پر اگست ۱۹۶۹ء میں کامرس کالج کراچی سے تھرڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ انٹر کے بعد وہ فوراً بی اے کا امتحان دینا چاہتے تھے مگر ملازمت اور سستی کے سبب ایسا نہ کر سکے۔ ۱۹۷۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے پرائیویٹ امیدوار کے طور پر سیکنڈ ڈویژن میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔

سرگودھا میں جمال احسانی اور ان کے خاندان کی رہائش ۲۳ بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن میں تھی۔ جمال احسانی کے والد ظہور عثمانی پانی پت میں پٹواری تھے تقسیم پاکستان کے وقت ان کا خاندان جب سرگودھا آیا تو یہ مکان ان کو کلیم میں دیا گیا اور سرگودھا میں بھی ان کے والد کو پٹواری کی نوکری ملی۔ کراچی آنے سے پہلے جمال احسانی کے والد کا ٹی بی کے عارضے سے انتقال ہو گیا ان کے والد سرگودھا میں عید گاہ کے قریب دفن ہیں۔ کم عمری میں والد کی وفات نے جمال احسانی کی شخصیت پر اداسی کے گہرے نقوش چھوڑے۔ ظہور عثمانی کی وفات کے بعد جمال احسانی کا خاندان اپنے ماموں کے پاس بورڈن مارکیٹ کراچی چلا گیا اور جمال احسانی کو سرگودھا میں ان کی خالہ کے گھر چھوڑ دیا تب یہ آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ میٹرک کرنے کے بعد جمال احسانی بھی کراچی چلے گئے۔ جمال احسانی کے کراچی جانے کے بعد ان کے خاندان نے کورنگی کے علاقے میں رہائش اختیار کی۔ کورنگی میں قیام کے دوران ہی ان کی شادی ہو گی وہاں ہی ان کے دو بیٹوں علی جمال اور آذر جمال کی پیدائش ہوئی جن دنوں انہوں نے کورنگی کے علاقے میں رہائش اختیار کی یہ علاقہ نسبتاً غیر آباد تھا۔ چند ایک، چھپر ہوٹل اور بسیرا کرنے کے لیے ایک کمرے کے مکانات تھے جس طرح مصیبت زدہ لوگ آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں یہ خستہ حال لوگ بھی ایک دوسرے کی غموں کی زنجیر میں بندھے ہوئے تھے۔ صبح کو شہر کی طرف سفر کرتے روزگار کا سامان کرتے شام کو پنچھیوں کی طرح اپنے ٹھکانوں کا رُخ کرتے۔ جمال احسانی ملازمت کے سلسلے میں اگرچہ

Scanned with CamScanner

حیدر آباد، شہداد پور، میر پور خاص، لاڑکانہ اور عمان (U.A.E) میں بھی رہے لیکن باقی لوگ کورنگی ہی میں رہے۔ جمال احسانی اور ان کے اہل خانہ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۷ء اسی بستی میں مقیم رہے۔ جب ان کی ملازمت (۱۹۷۸ء) میں انفارمیشن آفس میں ہو گی تو وہ کورنگی سے ہجرت کر کے فیڈرل کیپٹل ایریا میں کرائے کے گھر میں شفٹ ہو گئے۔ ان کے ڈومیسائل پر اسی گھر کا پتہ درج ہے۔۱۲۔ بابر سکوائر فیڈرل بی ایریا۔ کراچی۔

فیڈرل کیپٹل ایریا میں ۴ سے ۵ سال تک رہے۔ جمال احسانی نے بہت سے مکانات بدلے وہ تمام عمر کرائے کے گھروں میں ہی رہے۔ فیڈرل کیپٹل ایریا سے وہ نصیر آباد چلے گئے۔ نصیر آباد کے علاقے میں انہوں نے دو سال قیام کیا۔ ''الف لیلیٰ'' ڈائجسٹ میں نوکری کے دوران میں دفتری امور کی دیکھ بھال کے سلسلے میں وہ نارتھ کراچی دستگیر کالونی میں آئے۔ جن دنوں وہ ایڈوا ٹائزنگ کمپنی میں کام کر رہے تھے انہوں نے نارتھ کراچی میں ناگن چورنگی کے قریب کوہ نور پلازہ میں اپنا ذاتی فلیٹ بھی خریدا اگرچہ یہ جگہ اتنی آباد تو نہیں تھی لیکن سب گھر والے خوش تھے کہ اپنا ذاتی مکان تو خرید لیا شاید یہاں بھی زیادہ دن رہنا قدرت کو منظور نہیں تھا جمال احسانی کی غیر مستقل مزاجی اور منصوبہ بندی نے اسے بیچ کر لندن جانے کا پروگرام بنایا۔ سو انہوں نے اس مکان کو بھی اونے پونے داموں بیچ دیا اور خود سامنے اقبال پلازہ کے ایک فلیٹ میں منتقل ہو گئے۔ سروس بدلتی تو مکان بھی بدلتا ''سہام مرزا'' کے اخبار ''سویرا'' کی ملازمت کے دوران میں انہیں نیپا چورنگی کے قریب مومن پلازہ کے ایک فلیٹ میں رہائش اختیار کی۔ ان کے گھر والے اس در بدری سے بہت پریشان تھے گھر والوں سے ان کی پریشانی دیکھی نہ گئی تو انہوں نے ابو الحسن الاصفہانی روڈ پر ایک فلیٹ خرید لیا۔ انہوں نے چند دن قیام کے بعد یہ بھی بیچ ڈالا کیونکہ ''راز دار'' رسالے میں کام کرنے کے بعد ان کے مالی حالات بہتر ہو گئے تھے اس لیے وہ یہ فلیٹ بیچ کر کلفٹن کے پوش علاقے میں رہائش اختیار کرنے کو ضروری جانتے ہوئے کلفٹن کے سٹینڈرڈ اپارٹمنٹ میں ساحل سمندر کے قریب ایک فلیٹ میں آن بسے۔ ''تارے کو مہتاب کیا'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں ''دو چار مہینے پہلے کلفٹن کے ساحل پر ایک فلیٹ کرائے پر حاصل کیا۔ جہاں قریباً چار برس کی طویل مدت تک بسیرا کیا۔'' ۷

کلفٹن ہی کا یہی فلیٹ تھا جہاں وہ پہلی دفعہ بیمار پڑے۔ کرایہ جب ناقابل برداشت ہو گیا تو وہ ڈیفنس میں واقعہ اپنے دفتر کے فلیٹ میں آ بسے جگہ یہ بھی کرائے کی تھی۔ بیمار پڑنے کے بعد وہ علاج کی غرض سے اسلام آباد بھی گئے۔ واپس آئے تو فاطمہ حسن صاحبہ کے گھر ڈی ۴۱ بلاک نمبر ۷ گلشن اقبال میں قیام کیا وجہ یہ تھی کہ کمزوری کے باعث اپنے گھر کی سیڑھیاں چڑھنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ ان کے بھائی ہلال عثمانی نے

Scanned with CamScanner

پیراڈائز بلاک گلستان جوہر میں ان کی رہائش کا انتظام کر دیا۔

جمال احسانی اور اس کے خاندان نے ایک عمر خانہ بدوشی کی گزاری۔ اس خانہ بدوشی کا دکھ انہیں شدت سے تھا۔ تارے کو مہتاب کیا کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''زندگی ایک خانہ بدوش کی مکمل تصویر بن کر رہ گئی۔ آج ادھر تو کل ادھر آج یہاں تو کل وہاں۔ آج ڈپازٹ دینا ہے کل ایڈوانس اور ماہانہ کرایہ۔ زندگی اس خانہ بدوش کی مثال بن گئی ہے جو سامان سر پر اُٹھائے پھرتا ہے۔ خانہ بدوش اور مجھ میں بس یہ فرق ہے کہ اس پر مہینے کی پہلی تاریخ نہیں آتی جبکہ مجھے ہر مہینے یہ انتظام بھی کرنا پڑتا ہے۔'' ۸

یہ خانہ بدوشی کا ایسا اقدام تھا جس نے سب کچھ تلٹ کر دیا نہ آفس میں گھر رہ سکا نہ گھر میں آفس۔ ان کی زندگی خانہ بدوشی کی مکمل تصویر بن کر رہ گئی تھی۔ زندگی کی ایسی بے شمار حقیقتوں کا سامنا کرنے کے باوجود وہ زندگی بسری کا کوئی باضابطہ اُصول نہ بنا سکے۔ وہ اُصولوں کی پاسداری کے سخت خلاف تھے اسی بابت اپنے مضمون درون خانہ میں لکھتے ہیں:

''مجھے با اُصول لوگ شاید ہی کبھی اچھے لگے ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ اُصول اپنے آپ کو قید کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اُصول پہ کار بند رہنے والا شخص اپنی ذات پہ بہت سے دریچے ہمیشہ کے لیے بند کر لیتا ہے۔ حالات کی دگرگونی کے باوجود مجھے کھلے آسمان تلے اور تازہ ہوا میں سانس لینا اچھا لگتا ہے۔'' ۹

انہوں نے زندگی گزارنے کا کوئی باضابطہ اُصول نا بنایا اسی وجہ سے وہ تمام عمر بے گھر رہے۔ اور تمام زندگی کرائے کے مکانات میں گزار دی۔ شاید ہی کوئی ایسا محلّہ بچا ہو جہاں ان کی گزران نہیں ہوئی پورے کراچی میں فیڈرل کیپٹل ایریا سے ڈیفنس کے علاقے تک وہ مختلف کرائے کے مکانات میں قیام پذیر رہے۔ کراچی کی مشہور بستیوں میں جہاں انہوں نے تھوڑے عرصے قیام کیا اُن میں کورنگی، سوکواٹرز، فیڈرل کیپٹل ایریا، ناگن چورنگی، نارتھ کراچی، دستگیر کالونی، گلشن اقبال اور الاصہفانی روڈ گلشن اقبال نیپا چورنگی کلفٹن، گلستان جوہر کا نام قابل ذکر ہے۔

''ستارہ سفر'' جمال احسانی کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ ان کے دوسرے مجموعوں میں ''رات کے جاگے ہوئے''، ''تارے کو مہتاب کیا'' ہیں۔ جمال احسانی بنیادی طور پہ غزل کے شاعر تھے۔ ان کے شاعری ایک نئے

Scanned with CamScanner

لہجے کی غماز ہے ایک ایسا لہجہ جو جدید ہونے کے باوجود بھی روایت سے ایک بامعنی رشتہ رکھتا ہے۔ کلیات میں شامل ان کے کلام کا ایک حصہ اُردو ادب عالیہ میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے کلام میں فکری و فنی اور موضوعاتی انفرادیت پائی جاتی ہے جس نے انہیں ان کے ہم عصر شعرا میں بھی منفرد و ممتاز کر دیا ہے۔ جس طرح ان کا کلام شعری جمالیات سے مزین ہے اس کی مثال ان کے معاصرین کے ہاں کم ملتی ہے۔ ان کا مزاج شاعرانہ تلاش و جستجو سے معمور تھا جس نے انہیں عظمت شاعرانہ بخشی اور شاعری کی معتبر آوازوں میں شامل کر دیا۔

اپنے مضمون درون خانہ میں اسی بابت لکھتے ہیں:

> ''میں جتنا بھی ہوں، اپنی شاعری کے سبب ہوں اور جو کچھ میں نہیں ہوں اس کا سبب بھی میری شاعری ہے شاعری دراصل میری جزا بھی ہے اور سزا بھی یہ میرا انعام بھی ہے اور دشنام بھی۔ میری فتح بھی شاعری کی مرہون منت ہے اور میری شکست کے بارے میں بھی میری شاعری ہی کارفرما ہے۔ اس نے مجھے عزت بھی بہت دی، اور رسوائی بھی۔ اس کے ذریعے لوگ مجھ سے خوش بھی اور ناخوش بھی۔ میں نے شاعری ہی سے دُنیا برتنے کا فن سیکھا اور میری ساری زندگی بے ڈھنگی زندگی میری شاعری ہی سے وجود میں آئی ہے مجھے شاعری نے اچھے دنوں کا خواب اور برے دنوں کی حقیقتوں سے روشناس کرایا۔ میں نے شاعری ہی سے سب کچھ جانا اور شاعری ہی سے سب کچھ مانا۔ میری تمام تمنائیں آسودہ اور نا آسودہ خواہشیں، جنوں خرد دوستیاں، انتہا پسندی، میانہ روی، بے اعتدالی، تلون مزاجی کچھ نا کچھ کرتے رہنے کی دُھن یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا لطف یہ سب کچھ میری شاعری کی عطا ہے۔'' [۱۰]

اپنی شاعری کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ یہ روگ پیدائش کے ساتھ ہی مجھ سے چپک گیا تھا اس لیے وہ اسے بن مانگے کی دولت کہتے تھے۔ اپنے مضمون دوون خانہ میں اسی بابت لکھتے ہیں'' میں نے شاعری نہ تو شاعری پڑھ کر کی اور نہ سن کے یہ دولت تو کم بخت مجھے بے مانگے ہی ملی۔ یہ خزانہ مجھے کسی نقشے سے نہیں بلکہ لغزش پا سے ملا ہے۔'' [۱۱]

لغزش پا سے ہاتھ آنے والے اس خزانے کا ادراک انہیں تب ہوا جب وہ تقریباً سترہ برس کے تھے۔ گورنگی میں قیام کے دوران ہی انہوں نے شاعری شروع کر دی کیونکہ اسی نواحی بستی میں سماجی تقریبات کے نام پر

Scanned with CamScanner

قوالیوں اور مشاعروں کا رواج عام تھا یا پھر کسی مولوی کو بلا کر وعظ کرا لیا جاتا تھا۔ شعری نشستوں کی خاص طور پر کثرت تھی کہ یہی ایک سستی تفریح تھی۔ مقامی شعراء روایتی شاعری سے ماحول کو گرما رہے تھے کبھی کبھی شہر کا کوئی شاعر ان نشستوں میں آ نکلتا تو گلیوں میں شور مچ جاتا تھا کہ شہر کے شاعر آ رہے ہیں۔ جمال احسانی کے پہلے مشاعرے کے گواہ ان کے دیرینہ دوست ڈاکٹر ساجد امجد ہی ہیں جو ان دنوں ساجد رام پوری کے نام سے مشاعروں میں متعارف تھے۔ ایک مشاعرے کا احوال لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''۱۹۶۹ء کا کوئی اتوار تھا گورنگی نمبر ۴ کے مکان میں ایک مشاعرہ تھا۔ چھٹی کا دن تھا لہٰذا مشاعرے کا وقت تین بجے سہ پہر مقرر کیا گیا تھا۔ مشاعرہ پر مکان فلاں کا دعوت نامہ ایک دن پہلے ہی موصول ہوا تھا۔ اتفاق سے غیر طرحی مشاعرہ تھا اس لیے چیڑی اور دودھ والا محاورہ صادق آ رہا تھا۔ بہت دن بعد اپنی پسند کی غزل پڑھنے کا موقع مل رہا تھا میں اپنے دوستوں کے قافلے کے ساتھ پتہ ڈھونڈتے ہوئے مشاعرے والے مکان تک پہنچا گلی میں کُھلنے والے دروازے پر جوتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اچھے خاصے شعراء آ چکے ہیں۔'' ۱۲

ان مشاعروں میں سامعین بھی خود شعرا ہی ہوتے تھے اس بستی کے لا تعداد شعراء میں صہبا اختر، رسا چغتائی، مجیب خیر آبادی جوہر سعیدی، علیم محشر جوتناروی، انجم فوقی بدایونی چند بڑے نام تھے۔ اس مشاعرے کی صدارت بے تاب نظیری کر رہے تھے جو کہ علامہ کہلاتے تھے۔ نظامت کے فرائض شاہد الوری سر انجام دے رہے تھے۔ ڈاکٹر ساجد امجد نے نشست سنبھال کہ ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور چہروں کے علاوہ رسا چغتائی شکیل احمد ضیاء اور تقی دہلوی بھی بیٹھے نظر آئے۔ ان شعراء کے سامنے غزل پڑھنے کا اپنا ہی لطف ہوتا تھا۔ مشاعرہ شباب پر تھا مجھ سمیت بہت سے شعراء پڑھ چکے تھے کہ اچانک اٹھارہ انیس سال کا ایک لڑکا تیزی سے داخل ہوا۔ شاہد الوری کے کان میں کچھ کہا اور ایک طرف بیٹھ گیا میں نے سمجھا ہو گا کوئی غور کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ ''یہ صاحب زادے غزل پڑھنا چاہتے ہیں کیا خیال ہے۔ پڑھوا دوں شاہد الوری نے مجھ سے پوچھا۔ ''مقام تو گزر چکا آگے آپ کی مرضی۔''

پڑھنے دے یار کیا یاد کرے گا۔ شاہد الوری نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا اور چپکے سے ایک گالی بک دی۔ میں نے ترچھی نگاہوں سے دیکھا، وہ لڑکا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا شاید اسے یقین نہیں تھا کہ اسے پڑھوایا جائے گا۔ اب تشریف لاتے ہیں جمال پانی پتی۔ شاہد الوری نے اعلان کیا وہ لڑکا بجلی کی سی تیزی سے اُٹھا

Scanned with CamScanner

اورتحت پر پاؤں لٹکا کے بیٹھ گیا۔ اب میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ سب سے پہلے جس چیز نے مجھے چونکایا وہ اس کا لباس تھا۔ سفید پینٹ سفید شرٹ اور وی کالر کا سفید سویٹر وہی جو کرکٹ کے کھلاڑی پہنتے ہیں وہ بھی کرکٹ کھیلتے کھیلتے شاید ادھر آ گیا تھا۔ گیند رگڑنے کے سرخ نشان ابھی تک اس کی پتلون پر نظر آ رہے تھے۔ دبلا پتلا جسم، تیکھے نقوش جس میں اس کی ستواں ناک اہم کردار ادا کر رہی تھی باریک لب کتابی چہرہ آنکھیں چھوٹی چھوٹی بے حد کٹیلی اور شرارتی رنگ گہرا سانولا چھریرے بدن پر اس کے چوڑے شانے بہت نمایاں نظر آ رہے تھے۔''جمال پانی پتی تو شہر کے ایک شاعر ہیں'' میں نے شاہد الوری کے کان میں کہا۔ ابے تو کلام کون سا اپنا ہو گا کرکٹ کھیلتے ہوئے یہاں آ گیا سالہ۔ میں پھر اس کی طرف متوجہ ہوا وہ مقطع پڑھ رہا تھا۔

پوجا بھی ان کو سجدے بھی ان کو کیے جمال
کافر کبھی کبھی تو مسلمان کبھی کبھی [۱۳]

شعر پڑھنے کا انداز نیا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ جب تک تم باؤلنگ کراؤ میں آیا جلدی غزل ختم کی۔ جس طرح لپک جھپک کر آیا تھا اس طرح باہر نکل گیا۔ غزل پڑھ کر کچھ دیر بیٹھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ یہ اس کا پہلا مشاعرہ تھا اس وقت وہ جمال پانی پتی اور میں ساجد رام پوری تھا۔ گورنگی کے علاقے میں مشاعرے ہوتے رہے اور جمال احسانی ان میں شریک ہوتا رہا۔ ساجد امجد کے اس طرف توجہ دلانے پر کہ شہر میں جمال پانی پتی نام کے ایک شاعر پہلے سے موجود ہیں۔ جمال احسانی کو اپنا قلمی نام تبدیل کرنے کی سوجھی اور وہ جمال پانی پتی سے جمال احسانی ہو گئے۔ احسان امروہوی ان کے گھر کے قریب ایک شاعر رہا کرتے تے جن سے جمال اصلاح لیتے تھے ان کے نام کی نسبت سے وہ احسانی ہو گئے۔''احسانی'' کا لاحقہ انہیں اتنا پسند آیا کہ زندگی بھر دوست بدلے گھر بدلے مگر نام تبدیل نہیں کیا۔ وہ دوستوں کو احسان امروہوی کی غزلیں سنا کر قائل کرتے تھے''جاگنا فرض ہو گیا''، ''نیند حرام ہو گئی'' کمال شعر لکھتے تھے۔ جمال احسانی کے نام سے جو غزل پہلے پہل انہوں نے مشاعرے میں پڑھی تھی وہ یہ تھی:

جی بھر کے موسموں کے چلن نے ستا لیا
نکلا تھا بچ کے دھوپ سے بارش نے جا لیا
ناکامیوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا
ہم نے ترے حصول کو مقصد بنا لیا

Scanned with CamScanner

آ زار بن گئی تھیں مری نیک نامیاں
رسوائیوں کے خول میں خود کو چھپا لیا
اس خوف سے تودے نہ سکے گا کوئی جواب
ہونٹوں پہ آکے رک گیا جملہ سوالیہ
ہر شخص نے کنارہ کیا مجھ سے جب جمال
آوارگی نے بڑھ کے گلے سے لگا لیا [۱۴]

یہ ان کی پہلی غزل تھی جو کراچی سے نکلنے والے ادبی رسالے ''جام نو'' میں شائع ہوئی جس کے مدیر مظہر خیری تھے۔ جمال احسانی انٹر کے بعد بی۔ اے کرنے کے منصوبے بناتے رہے اور مطالعہ کرنے کا بھی انہیں شوق تھا۔ ان کی یہ غزل مجموعوں میں شامل نہیں ہے۔ انہی دنوں گورنگی سائنس کالج میں ایک بین الکلیاتی مشاعرہ ہوا جس کے مہمان صہبا اختر تھے اس مقابلے میں جمال احسانی کی غزل کو پہلے انعام کا حق دار قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں جمال احسانی کا جب ٹرانسفر ہو گیا تو وہاں ان کی ملاقات صابر وسیم سے ہوئی۔ صابر وسیم کا پتہ انہیں ثروت حسین نے دیا تھا۔ صابر وسیم کے ساتھ وہ اختر انصاری اکبر آبادی کی بیٹھک میں آنے جانے لگے اختر انصاری کم ہی کسی کو قریب آنے دیتے تھے مگر جمال احسانی کی صلاحیتوں اور شوخ طبیعت سے مانوس ہو گئے۔ جمال آہستہ آہستہ ان کے اس قدر قریب ہوئے کہ ان کے رسالے ''نئی قدریں'' کے لیے خطوط کے جواب دینے لگے۔ اختر انصاری سے کبھی کبھی چھیڑ چھاڑ بھی کرتے رہتے جس کا وہ برا نہیں مناتے تھے۔ کبھی کوئی جملہ کہہ دیتے اور کبھی کوئی غلط شعر سنا کر استاد سے اصلاح فرمانے کو کہتے۔ حیدر آباد کے دوستوں میں وہ شروع سے صابر وسیم کے قریب تھے۔ ان کے گھر آتے جاتے یا سو جاتے۔ کبھی کبھی اُن کی کوئی کتاب اُٹھا کر مطالعہ کرتے جب وہ آ جاتے تو اکٹھے گھومنے پھرنے نکل جاتے۔ غزلیں کہتے ایک دوسرے کو سُناتے ایک دوسرے کے شعروں کو رد کرتے داد دیتے ہوٹلوں پر چائے پیتے اور رات گئے تک آوارہ گردی کرتے تھے۔ اختر انصاری کی سلیم احمد سے بھی رسم و راہ تھی۔ ہر ہفتے جب جمال احسانی کراچی آتے تو سلیم احمد کے ہاں آنا جانا بھی شروع کر دیا۔ یوں سلیم احمد کے نظریات و خیالات سے انہیں مستفید ہونے کا موقع ملا۔ سلیم احمد کی قربت نے جمال احسانی کی صحبت پہ گہرے اثرات مرتب کیے۔ سلیم احمد روایت کے آدمی تھے لہٰذا جمال احسانی نے سلیم احمد سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو کلاسیکی ادب کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا۔ کلاسیکی ادب کا مطالعہ ان کی بعد کی شاعرانہ زندگی پر بہت اثر انداز ہوا۔

Scanned with CamScanner

اگرچہ وہ کراچی میں قمر جمیل کی محبتوں سے بھی فیض یاب ہوتے رہے تاہم وہ Modernims کی بجائے وہ روایت کی طرف ہی مائل رہے۔ یہ نہیں کہ وہ سلیم احمد کی چوکھٹ سے لگ کے بیٹھ گئے وہ ادھر اُدھر بھی آتے جاتے رہے اور دیگر اہل فکر حضرات حسن عسکری وغیرہ سے بھی متاثر ہوئے۔ کورنگی میں قیام کے دوران ہی وہ کورنگی سے نکل کر شہر کی محفلوں میں شریک ہونے لگے تھے بلکہ شاہد الوری کی وساطت سے ایک مرتبہ کوئٹہ بھی گئے۔ کوئٹہ میں یہ مشاعرہ کیپٹن عشرت حسین نے اپریل ۱۹۷۲ء میں کرایا تھا اس مشاعرے میں ساجد امجد اور شاہد الوری بھی شریک ہوئے۔ حیدر آباد میں سروس کے باعث انہیں میر پور خاص شہداد پور اور لاڑکانہ مشاعرے پڑھنے کے مواقع ملے۔ ان مشاعروں کے ذریعے انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بہتر طور پر پیش کرنے کا طریقہ آ گیا۔ ''جام نو'' اور ''نئی قدریں'' کے ساتھ ساتھ اب وہ ''سیپ''، ''کراچی''، ''نیا دور''، ''فنون''، ''لاہور''، ''اُوراق''، ''کاروانِ سخن''، ''کراچی'' میں بھی چھپنے لگے تھے ان کی غزلوں کو بہت پذیرائی مل رہی تھی وہ کراچی سمیت لاہور کے کئی ادبی پرچوں میں چھپنے لگے تھے۔ سلیم احمد، سلیم کوثر، عبد اللہ علیم، صابر ظفر، انور شعور، جون ایلیا، جیسے شعراء سے تقابل نے انہیں ساری صلاحیتیں غزل پہ صرف کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے اشعار سماعتوں اور صفحات سے لوگوں کے دلوں اور زبانوں پر سکہ جمانے لگے۔ اب وہ ایک معردف شاعر تھے۔ اسی لیے نہ صرف اندرون ملک ریڈیو، ٹی وی اور کل پاکستان مشاعروں میں ان کی اہمیت کو مانا گیا انہوں نے بیرون ملک بھی کئی مشاعرے لوٹے ان مشاعروں میں ان کو بے حد داد اور عزت ملی۔ وہ اپنی صلاحیتوں کا ادراک بھی رکھتے تھے اور دوسروں کی عظمت کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ اپنی شاعری کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ یہ اچھی شاعری کی ذیل میں آتی ہے اور اسے پڑھنے والے پسند بھی کرتے ہیں۔

روزنامہ خبریں میں غضنفر ہاشمی کو انٹرویو دیتے ہوئے اس سوال کے جواب میں آپ کا اپنی شاعری کی مقبولیت کے بارے میں کیا خیال ہے۔ وہ اس بابت کہتے ہیں:

> ''مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے، مجھے خواص نے بڑی اہمیت دی اور عوام نے بھی پچاس ہزار کے مجمع سے بھی داد ملی اور بیس افراد کے اجتماع سے بھی، پذیرائی تو نہیں کہوں گا البتہ ملک کے سب طبقوں سے محبت ملی۔ میری کتابوں کے تین تین چار چار ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے میری شاعری پڑھی جاتی ہے اور لوگ پسند کرتے ہیں۔ جہاں تک داد کا تعلق ہے تو ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ فیض صاحب، منیر نیازی اور فراز کو بھی مشاعروں میں کم داد ملی ہے۔'' ۱۵

Scanned with CamScanner

اپنے ہم عصر شاعروں صابر ظفر، پروین شاکر، اظہار الحق، نجیب احمد، خالد احمد وغیرہ کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں ''ان میں سب سے کمزور شاعری میری ہے۔ پروین سب سے آگے نکلی ہے۔ جو تین سو سالہ نسوانی اظہار DUE تھا اس کی شاعری میں ہوا۔ یہ اظہار فہمیدہ ریاض، زہرہ نگاہ کے ہاں بھی ہے لیکن جینوئن سطح پہ اس کے ہاں ہوا۔'' ۱۶

وہ شاعری کو تحت اللفظ کے ذریعے پیش کرنے پر زیادہ یقین نہیں رکھتے تھے ترنم کے ساتھ مشاعروں میں پڑھنا انہیں مرغوب نہیں تھا۔ ان کے خیال میں ایک شاعر، کھلاڑی اور ادکار کی مقبولیت میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے جب کوئی بڑا شاعر یا ادیب فوت ہوتا تو اس کا دکھ صرف انہیں کو ہوتا ہے جو لوگ اس کی اہمیت و عظمت کو جانتے ہیں۔ مجید امجد اور پبلک ریلشنگ کے حوالے سے وہ بتاتے ہیں ''مجید امجد کے مرنے کا دکھ مجھے ہوا۔ منیر نیازی، ثروت حسین اور انور شعور کو ہوا، دُکھ میں بڑی گہرائی ہوتی ہے۔ ایک دُکھ اس طوائف کا ہوتا جو دس محرم کو مناتی ہے وہ دُکھ جعلی ہوتا ہے۔'' ۱۷

جس طرح انہوں نے غضنفر ہاشمی کو دیئے گئے انٹرویو میں بے لاگ تبصرے کیے ہیں اس طرح وہ عام زندگی میں بھی لگی لپٹی رکھنے والے نہیں تھے۔ خوشامد کر کے عزت حاصل کرنے کے وہ قائل نہیں تھے۔ وہ معاصر شعراء میں سے جس کو اچھا سمجھتے تھے اس کے مقابلے میں اپنی شاعری کو کمتر بھی قرار دیتے تھے۔ شاعری کے بارے میں ان کا رویہ دوستی اور مفاد سے آگے کا تھا۔ وہ تقلیدی ذہین نہیں رکھتے تھے اس لیے ہر بات کو بلا چون و چرا قبول نہ کرتے۔ غضنفر ہاشمی کے اس سوال پہ ہمارے عہد میں اس وقت بڑا شاعر کون ہے تو ان کا جواب کچھ یوں تھا:

> ''انڈو پاک میں بطور ادیب سب سے بڑے احمد ندیم قاسمی ہیں۔ مشتاق احمد یوسفی بڑے طنز نگار ہیں۔ فراز ظفر اقبال جون ایلیا منیر نیازی عبداللہ علیم پسندیدہ شعراء ہیں لیکن بڑا شاعر کوئی نہیں۔ پوری اُردو شاعری میں میر غالب اور اقبال بڑے شاعر تھے۔ شبہ ہے کہ فیض بھی میجر شاعر تھے۔'' ۱۸

جوش ملیح آبادی کو وہ انٹر میڈیٹ شاعر کہا کرتے تھے ان کے نزدیک وہ سنجیدہ شاعر نہیں تھے سوائے چند ایک نظموں کے ان کے ہاں کوئی کام کی چیز نہیں لفظوں کی گھن گرج تو اور لوگوں کے پاس بھی ہے۔ ان کے نزدیک اچھی شاعری کے لیے ذاتی تجربات کی بہت اہمیت ہے کیونکہ جن حالات سے ایک حساس شخص گزرتا ہے

Scanned with CamScanner

وہ اس پر اثر انداز ضرور ہوتے ہیں۔

جمال احسانی جس طرح کرائے کے گھر بدلتے کراچی کا قریہ قریہ گھوما اسی طرح سنتالیس سالہ زندگی میں مختلف ملازمتیں کی۔ انہوں نے ٹی اینڈ ٹی میں ایک معمولی ملازمت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ سلیم احمد نے جمال احسانی سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پندرہ برس پہلے کی بات ہے میں اپنے گھر کے بس اسٹاپ پہ کھڑا تھا کہ ایک چھیل چھبیلا سا لڑکا جس کے گلے میں اُوزاروں کا باکس پڑا تھا میرے قریب آیا اور مجھ سے پوچھا کیا آپ سلیم احمد ہیں میں نے اثبات میں سر ہلایا تو لڑکے نے اپنا نام جمال احسانی بتایا اور کہا کہ وہ فون کے محکمے میں غالباً ٹیکنیشن ہے۔'' ۱۹

سلیم احمد صاحب نے ان کے ٹیکنیشن ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ جبکہ ان کی بیوہ شہناز صاحبہ کا کہنا تھا کہ وہ ٹیلی فون کے محکمے میں سپروائزر تھے۔ فراست رضوی جو جمال احسانی کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے ان کے بقول وہ لائن مین تھے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں ''ٹی اینڈ ٹی میں بہت معمولی پوسٹ پر ملازم تھا۔ ٹیلی فون کے تار ڈالتا پھرتا تھا لائن مین کہلاتا تھا۔'' ۲۰

۱۹۶۹ء کے آخر سے شروع ہونے والی جمال احسانی کی یہ ملازمت دسمبر ۱۹۷۶ء تک رہی۔ اس دوران میں ان کی پوسٹنگ مختلف جگہوں پر رہی۔ حیدر آباد شہداد پور میر پور خاص اور پھر لاڑکانہ میں ان کے سپرد ٹیلی فون کی تاریں بچھانے کا کام آیا۔ حیدر آباد میں وہ اکیلے نہیں گئے تھے بلکہ ان کا دفتر کراچی سے حیدر آباد میں منتقل ہوا تھا۔ صابر وسیم حیدر آباد میں جمال احسانی سے اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''۳۷ سال پہلے جب ہم ملے تھے تو وہ بیس سال کا تھا۔ لڑکپن کا اختتام اور جوانی کی ابتداء اب سوچو تو ایک خواب سا لگتا ہے۔ وہ ۷۲ء میں حیدر آباد آیا تھا۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں نئی نئی ملازمت شروع کی تھی۔ اس کا دفتر کراچی سے حیدر آباد منتقل ہوا تھا۔'' ۲۱

ٹیلی فون کی اسی ملازمت کے دوران میں ان کی شادی بھی ہوگئی اور ایک بچے کے باپ بھی بن گئے کم آمدنی کے باعث گزارا مشکل تھا۔ جمال احسانی کی والدہ ان کے اسی حالات کے سبب پریشان رہتی تھیں۔ ان کے بڑے بھائی نے جو پہلے سے بیرون ملک ملازمت کر رہے تھے اپنے چھوٹے بھائی ہلال کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا تھا۔ ہلال عثمانی کے عمان جانے کے بعد وہ جمال احسانی کی حالت کے بارے میں جان کر بے چین ہو گئے لہٰذا

Scanned with CamScanner

انہوں نے جمال احسانی کو بھی عمان بلا بھیجا۔ دسمبر ۱۹۷۲ء میں جمال احسانی ٹی اینڈ ٹی کی ملازمت سے مستعفی ہو کر عمان چلے گئے۔ وہاں وہ ٹیلر وڈرو کمپنی میں کام کرتے تھے۔ صلالہ عمان کا ایک شہر تھا۔ صلالہ سے پچاس میل دور ایک پہاڑی علاقے ''جبل'' میں ان کی تعیناتی کی گئی۔ وہ صرف چھٹی کے دن صلالہ آتے جہاں وہ اپنے چند دوست جو کہ پاکستانی تھے ان سے گپ شپ کرتے باقی دنوں میں ''جبل'' کا ویرانہ ہی ان کی رہائش گاہ تھا۔ وہ عمان میں بمشکل ایک سال رہے۔ ۱۹۷۷ء کے اختتام پر وہ وطن واپس آئے تو یہاں بے روزگاری ان کی منتظر تھی کئی دنوں بے روزگار گھومنے اور دوسروں کے رحم و کرم پر رہنے کے بعد عبد اللہ علیم کی معرفت میں انہیں گریڈ سولہ کی سرکاری ملازمت مل گئی۔ اس وقت یوسف جمال سیکرٹری اطلاعات سندھ تھے اور عبد اللہ علیم اس وقت رائٹر گلڈ سندھ ذون کے جنرل سیکرٹری تھے۔ یہاں جمال احسانی کے ساتھیوں میں ڈاکٹر فاطمہ حسن اور صابر ظفر بھی تھے یہاں وہ محکمہ اطلاعات سندھ کے ماہنامہ ''اظہار'' کی ادارت بھی کرتے اس کے لیے خط و کتابت بھی کرتے اور اداریہ بھی لکھتے یہ ان کی پسند کا کام تھا۔ بنیادی طور پر وہ پڑھے لکھے آدمی تھے لہٰذا وہ یہ کام دلچسپی سے کرتے اور ان کے گرد اہل قلم احباب کا جھمگٹا بھی لگا رہتا تھا۔ وہ شاعروں اور ادیبوں میں رہ کر خوش ہوتے تھے۔ ۱۹۸۲ء تک وہ اس نوکری پر رہے لیکن ایک دن اچانک یہ نوکری بھی چھوڑ دی وجہ یہ تھی مارشل لاء لگا تھا اخبارات پہ سنسر لگا ہوا تھا اور یہ بات ان کی طبیعت کے منافی تھی۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے روزنامہ ''حریت'' میں کالم نگاری اور قطعہ نگاری شروع کی۔ یہاں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد وہ الف لیلیٰ ڈائجسٹ میں ملازم ہو گے۔ یہاں کام کافی تھا مگر وقت پر تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ اس نوکری سے بھی بیزار ہو گئے۔ کچھ عرصہ وال پینٹ کی ایجنسی لے لی۔ سپلائی بھی کرتے اور آڈر بھی لیتے تھے چند روز ایڈوا ٹائزنگ کمپنی بھی چلائی۔ ۱۹۸۶ء میں سہام مرزا نے ''سویرا'' کے نام سے اخبار نکالا اور جمال احسانی کو اس کا ایڈیٹر بنا دیا۔ ڈیڑھ سال یہاں کام کرنے کے بعد جب ''سویرا'' زوال پذیر ہوا تو وہ انور فراز کے سسپنس ڈائجسٹ کے مدیر بن گئے۔ سسپنس کی ادارت کے ساتھ ساتھ نصیر ترابی کے بھائی طالب ترابی کے اخبار ''محاسبہ'' میں بھی کام کرتے رہے۔ ''محاسبہ'' میں پانچ سال تک کام کرنے کے بعد انہوں نے ماہنامہ ''راز دار'' کے نام سے اپنا ڈائجسٹ شروع کیا۔ ستمبر ۱۹۹۲ء میں ''راز دار'' کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس کے ابتدائی پرچے بڑے شاندار تھے۔ امجد اسلام امجد جمال احسانی کی معرفت ''راز دار'' کو یوں یاد کرتے ہیں:

''چند برس قبل اس نے نصیر ترابی کے ساتھ مل کر راز دار نامی ایک ڈائجسٹ نکالہ تھا جو

Scanned with CamScanner

اپنی بہت سی خوبیوں اور جمال احسانی کی محنت اور ندرت انگزیوں کے باوجود زیادہ دیر نہیں چلا۔ اس پرچے کو ادبی رنگ دینے کے لیے کچھ ایسے سلسلوں کا آغاز کیا تھا جو بہت اچھوتے خوبصورت اور امکانات سے پُر تھے مگر وہ ہوتا ہے کہ فلم فیل ہونے کے ساتھ اس کی اچھی چیزیں بھی فیل ہو جاتی ہیں۔ تو یہی حال جمال احسانی اور اس کے ''راز دار'' کے ساتھ ہوا۔'' ۲۲

ابتداء میں ڈائجسٹ سے انہیں کافی فائدہ ہوا۔ تعلقات کے باعث ان کو کافی اشتہار مل جاتے تھے لیکن جمال احسانی کی شہ سرخیوں نے اس آسودگی کو زیادہ عرصہ برقرار رہنے نہیں دیا۔ ڈیڑھ دو سال بعد یہ رسالہ جاری رہنے کے قابل نہ رہا۔ اس کی ایک وجہ جمال احسانی کا اسٹیٹ ایجنسی کی طرف مائل ہونا بھی ہے۔ یہ کاروبار جو قرضے سے شروع کیا گیا چند دن کی چاندی دیکھ کر جمال احسانی کو بہت زیادہ مقروض کر کے ٹھپ ہو گیا۔ وہ اسے کسی نہ کسی صورت جاری رکھنا چاہتے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ان کی معاشی بد حالیاں ان کے ساتھ ہی دم توڑ گئیں۔ کچھ عرصہ حمید نظامی کے اخبار میں بھی کام کرتے رہے۔

جمال احسانی کی شادی ستمبر ۱۹۷۴ء میں ہوئی۔ جمال احسانی کی بیوی شہناز اختر مڈل پاس ایک عام سی لڑکی تھی۔ محمد حامد صدیقی اور سرور بیگم کی یہ دختر جمال احسانی کی بھاوج کی پسند تھی۔ جمال احسانی چونکہ آزاد مرد تھے لہٰذا انہیں ایک کھونٹ سے باندھنے کی ترکیب سوجھی کہ ان کی شادی کر دی جائے ایسا کرنے کے لیے رشتہ تلاش کیا گیا اور منگنی طے پا گئی۔ اپنی شادی اور بیوی کے بارے میں جمال احسانی لکھتے ہیں:

> ''شہناز سے میری شادی کو چوبیس سال ہو رہے ہیں اس وقت یہ معمولی اور عام سی لڑکی میری بڑی بھاوج کی پسند اور معیار تھی۔ مجھے ایک کھونٹ سے باندھنا مقصود تھا سو باندھ دیا گیا شروع شروع میں رسی تڑانے کی ایک آدھ کوشش بھی کی مگر شہناز نے دور اتنی ڈھیلی رکھی کہ شام ڈھلے قدم از خود گھر کی طرف اُٹھ جاتے۔'' ۲۳

شہناز خدمت گزار خوش اخلاق اور ملنسار خاتون تھی۔ شادی سے پہلے جمال احسانی نے ایک آدھ بار منگنی توڑنے کی کوشش بھی کی۔ وہ اپنے سب سے قریبی دوست یاد صدیقی کو ایک خاص منصوبے کے تحت لڑکی کے گھر والوں سے ملواتے ہیں اور ان کو لڑکیوں کی چند تصاویر بھی دے دیتے ہیں یاد صدیقی شہناز کے بھائی کے پاس جاتے ہیں اور وہاں جمال احسانی کی آوارگی کے فرضی قصے سنائے اور تصویریں بھی دکھائیں اور یہاں تک کہہ دیا کہ اس نے میری بہن سے وعدے کیے ہیں۔ یاد صدیقی نے اپنی طرف سے خوب کام بگاڑ دیا تھا

Scanned with CamScanner

جمال احسانی منگنی ٹوٹنے کے منتظر تھے مگر قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ جمال احسانی کو پتہ اس وقت چلا جب ان کی بھابھی اور بھائی نے تیاریاں شروع کر دی۔ شادی ہوئی تو جمال احسانی دوستوں میں گھیرے رہے۔ شہناز کو پہلے ہی دن شاعر کی بے ترتیب زندگی کو باضابطہ بنانے کا عزم کرنا پڑا۔ شہناز ان کے معمولات کو تو تبدیل نہ کر سکی البتہ وہ ان کے روز و شب کی عادی ہو گئیں۔ شہناز ایک صابر و شاکر اور سمجھ دار شریک حیات ثابت ہوئی۔ جمال احسانی نے آخری کتاب کا انتساب ان کے نام کیا ہے۔ اپنے مضمون درون خانہ میں اپنی بیوی شہناز کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''اپنے بابل کی طرف پلٹ کر نہ دیکھنے والی شہناز شب و روز مجھ میں اور میرے بچوں میں خرچ ہوتی رہتی ہیں۔ شہناز نہ ہوتیں تو میں بھی اپنے خاندان سے کوسوں دور ہوتا۔ وہ مجھے میرے لوگوں سے جوڑے رکھتی ہیں۔ آنچ مجھ پر آئے بُرا بھلا انہیں سُننا پڑتا ہے۔ بیمار میں پڑوں، میرے بہن بھائی ذمہ دار انہیں گردانتے ہیں۔ اپنے بھائی کے کرتوتوں سے ان کی بیوی کا دامن بھرنا، ہمارے معاشرے کا کتنا سہل اور محبوب مشغلہ ہے۔ میرے حالات کا شکار ہونے والی شہناز اس چکی میں مسلسل پس رہی ہیں۔ میرے چاہنے والوں کو کیا غرض کہ ان کی یک طرفہ محبت کے باعث مجھے شہناز کے ساتھ ایک ندامت بھری زندگی گزارنا پڑ رہی ہے۔ قصہ مختصر شہناز نے خود کو مجھ میں کھپا دیا مجھ سے میرے سوا کچھ نا طلب کیا مجھ ہمیشہ میرے حق سے بڑھ کر نوازا۔'' ۲۴

جمال احسانی کا اپنی بیوی کے حق میں یہ اعتراف قطعاً مبالغہ نہیں وہ نہایت اطاعت شعار خاتون تھی۔ جمال احسانی کے قریبی احباب کے لیے وہ شہناز بھابھی رہیں۔ جمال احسانی اپنے گھر آئے تمام خاص مہمانوں سے اپنی خدمت گزار خوش اخلاق بیگم کا بھرپور تعارف کرانے سے پہلے بڑی اپنائیت سے انہیں با آواز بلند پکارتے اور ڈرائینگ روم میں ان کے آتے ہی بڑی بشاشت اور خوش دلی سے تعارف کی رسم ادا کرتے، یہ شہناز ہیں میری بیگم شہناز اور شہناز یہ میرے دوست فلاں فلاں ہیں بھئی! شہناز چائے بہت اچھی بناتی ہیں یہ سنتے ہی بڑی سعادت مندی سے اندر چلی جاتی اور چائے کا انتظام کر دیتیں اور یوں شام گئے روز کے روز نئی محفلیں سجانے کے شوقین جمال احسانی کی ایک نئی محفل سج جاتی۔ شہناز جیسی نبھانے والی بیوی خدا کی عطا تھی۔ خدا نے اس پر ایک اور مہربانی کی کہ پہلے سال ہی اولاد نرینہ سے نواز دیا۔ علی جمال ۱۹ جولائی ۱۹۷۵ء کو پیدا ہوا۔ آذر اس سے دو

Scanned with CamScanner

سال بعد جولائی ۱۹۷۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کے دو سال بعد حرا اور اس کے بعد ساڑھے پانچ سال بعد آخری بیٹا ثبات پیدا ہوا۔علی اور آذر لندن میں کمپیوٹر انجینئر ہیں۔ ان کی بیٹی حرا کی شادی ہو چکی ہے جو کہ آج کل سعودی عرب میں مقیم ہے ثبات اپنی والدہ کے ساتھ گلستان جوہر کراچی میں رہتا ہے۔ ثبات بھی شادی کے بعد لندن چلا گیا ہے وہ بھی کمپیوٹر انجینئر ہے ان کی والدہ کچھ عرصہ کراچی میں گزارتی ہے اور زیادہ قیام ان کا اپنے بیٹوں کے پاس لندن میں ہی ہوتا ہے۔ اپنے بیٹوں کے بارے میں جمال احسانی اپنے مضمون درون خانہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''چار بچے ہیں تین بیٹے اور ایک بیٹی۔عملی زندگی میں آئے تو پتہ چلا کون کتنے پانی میں ہے؟ دراصل ہمارے معاشرے میں بُنت ہی ایسی ہے اولاد کے بارے میں کوئی بھی پیشین گوئی غلط ثابت ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا اس بارے میں نہ تو نا خوش فہم ہوں اور نہ خوش فہم۔ جو ہونا ہے ہو کر رہے گا جو نہیں ہونا اسے کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔'' ۲۵

جمال احسانی کی وفات کے بعد ان کے لائق بچوں نے جلد ہی زندگی کے لیے قرینوں اور نئی تاب سے اپنی ماں کو ہم کنار کرایا اور خود بھی ہمکنار ہوئے۔ ان کے تمام بچوں کی شادی ہو چکی ہے اور تمام اپنے اپنے پروفیشنل کیریئر میں کامیاب ہیں۔

جمال احسانی بڑے نفیس آدمی تھے نفاست ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس لیے جگہ، لباس اور خوراک کے معاملے میں Chcosy تھے۔خوراک کے سلسلے میں تو غالب کے نظریے ''میٹھے ہوں اور بہت سے'' کے مصداق کھانا صاف ستھرا ہو اور بار بار ہو کے قائل تھے۔بعض اوقات بے اعتدالی کی حد تک خوش خوراکی کا مظاہرہ کرتے اگر ان کی خوش خوراکی کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو بچپن کی تنگدسی اس کا بڑا سبب نظر آتی ہے جو شدید محرومی کا احساس بن کر ساری عمر لاشعور کا حصہ رہی۔ شہناز جمال صاحبہ کا کہنا ہے کہ وہ اچھا کھانا کھانے کے بے حد شوقین تھے بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر بیوی اچھا کھانا پکانا نہیں جانتی تو اسے ہونا ہی نہیں چاہیے۔انہیں کھانے میں مچھلی اور بھنا ہوا گوشت بہت مرغوب تھا۔ ان کے دوستوں ساجد امجد، فاطمہ حسن ، امجد اسلام امجد صابر وسیم اور دیگر نے انہیں کھانے کے معاملے میں بد پرہیز قرار دیا ہے۔ جب وہ یرقان کے مرض میں مبتلا ہو گئے تو ڈاکٹر نے سخت احتیاط کرنے کو کہا۔ افاقہ ہونے کی صورت میں اپنے دوست ڈاکٹر ساجد امجد کے ہاں

Scanned with CamScanner

گئے ان کی بیوی ساتھ تھی انہوں نے مچھلی کھانے سے منع کیا لیکن وہ کب رکنے والے تھے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں ''اس نے رات کو کسی وقت دیکھ لیا فریج میں یا پلیٹ رکھی ہے وہ بستر سے اُٹھا اور میرے بیٹے جنید کو اُٹھایا یار دنوں مل کر مچھلی پکاتے ہیں تو بھی کھانا میں بھی کھاؤں گا۔'' ۲۶

جب ان کے پیٹ میں پانی پڑ چکا تھا انہوں نے اس وقت بھی پرہیز نہ کیا۔ پینے کے معاملے میں وہ حد درجے بد پرہیز تھے۔ اس ضمن میں صابر وسیم لکھتے ہیں ''جون ایلیا کے ساتھ جمال احسانی کی بہت سی شامیں گزریں وہ بھی اس کی ان بے اعتدالیوں کے شاکی تھے انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ جمال احسانی نے دن رات، صبح و شام کی تفریق ختم کر دی ہے بہت غلط کر دیا ہے۔'' ۲۷

ان کے پینے پلانے میں بے اعتدالیوں کا ذکر مختلف دوستوں نے مختلف انداز میں کیا ہے۔ غوث متھراوی جمال احسانی کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ جمال احسانی غوث کو ماموں اور ان کی اہلیہ کو ممانی کہتے تھے اپنی خودنوشت سوانح ''کہانی مختصر کوئی نہیں'' میں لکھتے ہیں:

> ''ان کے انتقال سے مہینہ بھر پہلے ہمارے مشتاق یوسفی صاحب کی صدارت میں محفل چار بیت تھی۔ لطف اللہ خان شکیل عادل زادہ رضوان عنائتی ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی، اظہر عباس ہاشمی، عزیز الرحمٰن، اختر سعیدی، الغرض بہت سی معروف ادبی شخصیات موجود تھیں۔ جمال احسانی اپنے منفرد موڑ میں چہک رہے تھے۔ اچانک انہوں نے ہم سے گلاس مانگا اور کوکا کولا کی فرمائش کی بوتل انہوں نے نیفے میں آڑسی ہوتی تھی۔ ہماری بیگم حسین مرحوم کو ممانی کہتے تھے شہناز (جمال احسانی کی بیگم) کے پیچھے کھڑی تھیں انہوں نے جمال احسانی کو ڈانٹ پلانا شروع کی اور کہا ''جمال احسانی خدا کے لیے اپنی صحت کا خیال کرو۔ مرنا جینا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر صحت کے بغیر زندگی بے کار ہے۔'' تو جمال احسانی بول پڑے ''ممانی مجھے معلوم ہے کہ میں مر چکا ہوں۔ اب یہ آخری سانس اپنی خوشی سے گزارنا چاہتا ہوں'' اس کے بعد جو ایک ماہ کے دوران رپورٹس ملیں وہ یہی تھیں کہ یک گو نہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے۔'' ۲۸

جمال احسانی غیر مستقل مزاج تھے ایک جگہ رہنے اور مستقل بیٹھنے سے انہیں چڑ تھی۔ اسی بابت صابر وسیم لکھتے ہیں ''اس کے بدن میں پارہ بھرا ہوا تھا وہ کسی ایک جگہ جم کر رہ نہیں سکتا تھا۔'' ۲۹

Scanned with CamScanner

اس لیے ساری عمر کوئی مستقل ٹھکانہ بھی نہ بنا سکے اور روزگار کا بھی کوئی مستحکم ذریعہ نہیں تھا وہ ٹک کے مشاعرہ گاہ میں بھی نہیں بیٹھتے تھے ان کی سیمابی طبیعت اور بہت جلد اُکتا جانے والی فطرت سے سب دوست آگاہ تھے اس لیے انہیں زیادہ دیر کسی مشقت پر نہیں لگاتے تھے۔ شکیل عادل زادہ ان کی بے قرار طبیعت کے بارے میں کہتے ہیں ''جمال احسانی کی طبیعت میں خوب بے قراری تھی بہت اشتیاق سے کہیں جانا، کچھ دیر بعد پہلو بدلنے لگتا اسے وہاں سے اُٹھ جانے میں بے کلی ہونے لگتی۔'' ۳۰

اس غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے معاشی طور پر آسودہ نہیں رہتے تھے۔ مرحوم میں جہاں اس قسم کی کچھ شخصی خامیاں بھی تھیں وہاں خوبیاں بھی تھیں لطیفہ گو اور بزم آراء تو کمال کے تھے جس دفتر میں رہے ان کے گرد دوستوں کا جھگمٹا رہا۔ دوستوں کی خاطر داری کرنے میں کھلے دل کے مالک تھے۔ دوستوں کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے۔ ہنسنے ہنسانے میں خود بھی کھل کر ہنستے تھے اور دوسروں کو بھی خوب ہنساتے۔ نصیر ترابی اسی بابت کہتے ہیں ''خوش طبع اور خوش فقرہ ہونے کے ناتے اس نے دوستوں کے حلقے میں اپنی جگہ بنا لی تھی۔'' ۳۱

مشتاق یوسفی ان کی بذلہ سنجی کے بارے میں لکھتے ہیں ''مزاج میں شوخی اور شگفتگی تھی، سب نے ان کے خلوص اور بذلہ سنجی کے قائل تھے۔'' ۳۲

ان کی ملنساری اور دوست باشی کی گواہی سرشار صدیقی لکھتے ہیں ''بحیثیت انسان کے بھی جمال احسانی ایک خوش مزاج ملنسار اور دوست باش نوجوان تھے۔'' ۳۳

لڑکپن میں کرکٹ اور بعد کے کھیلوں میں رمی اور تاش کے بڑے ماہر کھلاڑی تھے۔ نرم خو تھے۔ وہ دوستوں اہل خانہ اور اپنے شرکا کا خیال رکھنے والے تھے۔ والدہ سے انہیں بے حد محبت تھی۔ والد کی وفات کے بعد ''ماں'' کی شخصیت میں انہیں والد اور والدہ دونوں کی محبتیں یکجا ملیں۔ جب ان کی والدہ کا انتقال (۱۹۸۴ء) میں ہوا تو جمال احسانی کے لیے یہ صدمہ نا قابل برداشت تھا کیونکہ وہ اپنی والدہ کی توقعات پر پورا نہیں اترے تھے وہ انہیں ایک کامیاب انسان دیکھنا چاہتی تھی۔ جمال احسانی کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا وہ ہمیشہ دوستوں کے جھمگٹے میں رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ ان سب دوستوں کے دل سے دور نا ہو سکے جو اس کے ہوٹلوں اور چائے خانوں کے ساتھی تھے۔ جو ان کی راتوں کے ہمراز اور ان کے دنوں کے ہم قدم تھے۔ اپنے مختلف ٹھکانوں کی طرح وہ کسی ایک محفل اور کسی ایک جگہ کے ہو کے نہیں رہ گئے تھے۔ اس لیے وہ گورنگی کے اجمیری ہوٹل سے لے کر شاہد الوری کی رہائش گاہ تک کیفے دکن سے لے کر ڈاکٹر یوسف جاوید کے کلینک تک انہوں نے کئی آستانے

Scanned with CamScanner

بدلے۔ یاد صدیقی، احمد جاوید، نصیر ترابی، جون ایلیا، سلیم احمد، اظہر نفیس، جاوید صبا فاطمہ حسن کئی دوستوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھنے سے ان کا مشاہدہ گہرا اور تجربہ وسیع ہو گیا۔

ان کے مشاہدات اور تجربات میں فطری مظاہر سے عشق بھی شامل رہا۔ سمندر ان کی بے چینیوں کا عکاس اور چاند ان کے احساس جمال کا نمائندہ تھا۔ سمندر کا نظارہ کرنے کے لیے انہوں نے خصوصی طور پر کلفٹن میں وہاں فلیٹ لیا جہاں سے ہر وقت سمندر نگاہ میں رہتا درون خانہ میں اس بابت لکھتے ہیں ''فلیٹ کی بالکنی سے سمندر اور اس کے کنارے موجوں سے خومن مانیاں کرتے ہوئے لوگ دل اور آنکھوں کو بھلے لگتے میں بالکنی سے اکثر یہ منظر دیکھتا اور بچوں کی طرح خوش ہوتا۔'' ۳۴

اس طرح چاند کے ہمراہ راتوں کو دور دور تک سفر اور کھلے علاقے سے چاند کا نظارہ کرنا ان کے مزاج کا حصہ بن گیا۔ چاند سے ان کی دوستی کے گواہ اعتبار ساجد ہیں۔

> ''ایک رات ہم جناح روڈ کی ڈان ہوٹل والی ریلنگ کے پاس کھڑے تھے کہ جمال احسانی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ بڑی مضبوطی کے ساتھ کہنے لگا۔ ''چلو میرے ساتھ'' میں نے پوچھا ''کہاں'' آسمان پر طلوع ہونے والے چاند کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''یار کے پاس'' میں نے کہا یار کو تو ہم یہاں کھڑے کھڑے بھی دیکھ سکتے ہیں کہنے لگا عجیب شاعر ہو۔ کم بخت تمہیں معلوم نہیں دکانوں اور مکانوں کے پیچھے چھپا ہوا چاند اور چیز ہے اور کھلی فضا میں اور سرد قطاروں کے پیچھے سے جھانکتا ہوا چاند دوسری چیز ہے۔'' ۳۵

سمندر اور چاند کی طرح نسوانیت سے بھرپور حسن جمال احسانی کی کمزوری تھا۔ محبت جمال احسانی کی زندگی کا تجربہ رہی ہے۔ وہ عام عشاق کی طرح نہیں تھے بلکہ ان کا خاص طریقہ واردات تھا اور یوں وہ اپنے ہدف تک پہنچ جاتے تھے۔ ساجد امجد ''سرگزشت جمال احسانی'' میں لکھتے ہیں ان کی شادی ان کی پسند و ناپسند کو معیار بنائے بغیر کر دی گئی تھی۔ اس لیے وہ ایک ایسی ''بہار'' کے طالب رہے جو ان کی زندگی کو خوش رنگ بنا دے۔ ''بہار'' اسے جشن گورنگی کے ایک مشاعرے میں ملی تھی۔ اس نے اختتام مشاعرہ پہ ایک پرزے کے ذریعے اپنے ہونے کا نشان بتایا۔ جمال احسانی تلاش ''بہار'' میں اس کے گھر تک آئے اور وہی کے ہو کے رہ گئے۔ جمال احسانی کی بہار سے شادی کے سلسلے میں جمال احسانی کے گھر والے رضا مند نہیں تھے اور بہار کی والدہ نے یہ شادی جمال احسانی کے گھر والوں کی شرکت سے مشروط کر دی تھی۔ اُدھر جمال احسانی کے گھر والوں نے لڑکے کی

Scanned with CamScanner

دلچسپیاں کہیں اور دیکھیں تو اپنے طور پر رشتے کی تلاش شروع کر دی اور یوں جمال احسانی کو اچانک منگنی کے ذریعے کسی اور طرف کا رُخ کرنے کا حکم نامہ مل گیا۔ ''بہار'' کے معاملے میں جمال احسانی کے بھائی ہلال عثمانی کہتے ہیں ''اس واقعے میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ بہار کے عشق کے معاملے میں ساجد امجد کی اپنی ذاتی آرا ہے۔''[۳۶]

جمال احسانی معاملات عشق و محبت میں ہمیشہ محبوبیت کے حامل رہے ہیں۔ ان کی ناز برداریاں کرنے والے بہت تھے انہیں دوستوں اور اہل خانہ سے بہت پیارا ملا ان کی شاعری نا صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ممالک میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کلفٹن کے قیام دوران ہی وہ پہلی دفعہ شدید بیمار ہوئے انہیں یرقان کا عارضہ لاحقہ ہو گیا تھا اگرچہ علاج کے بعد طبیعت بہتر ہو گئی تھی۔ امجد اسلام امجد کے بقول ''اس نے ہمیشہ اپنی صحت کے بارے میں ایک ایسا رویہ رکھا ہے جسے ہرگز ہرگز معقول نہیں کہا جا سکتا گزشتہ چند برسوں سے وہ فربی کی وہ منازل طے کر رہا تھا جہاں خطرے کی گھنٹیاں مستقل بجنا شروع ہو جاتی ہیں۔''[۳۷]

ایک دن اچانک ان کا پیٹ پھولنا شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر نجیب جو کہ جمال احسانی کے قریبی دوست تھے انہیں ہسپتال لے گئے۔ تشخیص ہوئی تو پتہ چلا کہ پیٹ میں پانی بھر گیا ہے۔ سرنج کے ذریعے پانی نکالا گیا اور دوسرے دن گھر لائے گئے۔ اگرچہ اب پہلے جیسی حالت نہیں رہی تھی تاہم کھانے پینے کی احتیاط لازمی تھی انہوں نے مسلسل بد پرہیزی کا مظاہرہ کیا تو دوبارہ پیٹ میں پانی بھر گیا۔ انہیں اسلام آباد کے یمپز ہسپتال لایا گیا جہاں پیٹ کے ساتھ ساتھ ہاتھوں اور پیروں میں بھی پانی بھر گیا۔ اس ضمن میں اعتبار ساجد لکھتے ہیں ''میں اور افتخار عارف ان کی عیادت کے لیے ہسپتال گئے وہاں وہ بیڈ پر لیٹے تھے طبیعت میں کمزوری کے باعث اُٹھنے میں دقت محسوس کر رہے تھے ان کے پاؤں میں سوجن تھی جس کی وجہ سے انہیں چلنے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔''[۳۸]

علاج کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو کراچی واپس آئے۔ اپنے گھر کی سیڑھیاں نہ چڑھنے سکنے کے باعث فاطمہ حسن کے گھر آ گئے۔ ان کے آخری ایام کے بارے میں سعد اللہ شاہ اپنے کالم ''تر و تازہ یادیں میں'' لکھتے ہیں:

> ''۱۹۹۷ء "Appointes" میں جب میں آصف شفیع کے ساتھ کراچی گیا تو ہم فاطمہ حسن کے ہاں گئے۔ جمال احسانی سیریس تھے اور ہسپتال ڈائیلسز پہ تھے۔ فاطمہ ہمیں ہسپتال لے گئی۔ جمال احسانی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر

Scanned with CamScanner

کہنے لگے۔ ''سید لاہور جا کر دھوم دھڑکا کریں گے'' اصل میں ان کا شعری مجموعہ ''تارے کو مہتاب کیا'' زیرِ طبع تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا ''انشاء اللہ وہاں آپ کے شایان شان تقریب کریں گے'' پھر وہ کہنے لگے ''یار! دیکھ میرے لیے فاطمہ نے کتنی زحمت اُٹھائی ہے کہ میرے پورے خاندان کو لا کر اپنی کوٹھی میں ٹھرا لیا ہے اور میری وجہ سے ان میاں بیوی کو پہلی مرتبہ ایک کمرے میں سونا پڑا فاطمہ کے میاں شوکت زیدی بھی وہیں تھے تو کمرہ کشت زعفران بن گیا۔'' ۳۹

یہ دسمبر ۱۹۹۷ء کی ۲۶ تاریخ تھی رمضان کا مہینہ اور چھٹا روزہ تھا۔ ان کے بھائی نے جب گلستان جوہر میں فلیٹ کا انتظام کر دیا تو انہیں یہاں لایا گیا۔ وفات سے ایک مہینہ پہلے تک ان کی بلا نوشی کا وہی عالم رہا۔ اب جو طبیعت بگڑی اور انہیں ہسپتال لایا گیا تو خون تبدیل کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ ایلیو پیتھک دواؤں کے ساتھ ساتھ ہومیو پیتھک دواؤں کا سلسلہ بھی چلتا رہا لیکن صحت ڈانوا ڈول ہو چکی تھی۔ اب سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ ۱۰ فروری کی صبح پیٹ میں شدید درد اُٹھا۔ ندیم ہسپتال قریب تھا فوری طور پر وہاں لے جایا گیا ڈاکٹر نے حالت دیکھ کر لیاقت فیملی ہسپتال لے جانے کو کہا وہاں ڈاکٹروں نے حالت دیکھ کر اہل خانہ کو آخری بات چیت کرنے کی اجازت دے دی۔ اڑھائی پونے تین کے درمیان ان کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا۔ ہلال عثمانی نے بتایا کہ ان کی والدہ کے بھی منہ اور ناک سے اس طرح خون جاری ہوا تھا۔ یہ ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء کا دن تھا۔ ساری زندگی بے چین اور بے قرار رہنے والا اب آنکھیں بند کیے ہمیشہ کی نیند سونے جا رہا تھا۔ انہیں عشاء کے وقت گلستان جوہر کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ جنازے میں لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اہل قلم ساتھیوں نے نظم و نثر میں ان کی جدائی کا دکھ بیان کیا۔

ان کی وفات پر اسد محمد خاں اپنے تعزیتی تاثرات میں لکھتے ہیں:

> ''صبح ہی صبح میری چھوٹی بیٹی نے اپنے گھر سے فون کیا کہنے لگی اخبار آیا ہے انکل جمال احسانی گزر گئے۔ اس سے پہلے رات میں کسی وقت حسن ہاشمی کا فون آیا تھا کہ یار اسد بھائی جمال احسانی چلا گیا۔ اس سے پہلے بھی فون آیا تھا کہ ثروت حسین اور صغیر ملال نہیں رہے۔ سلیم احمد بھی گئے اور رئیس فروغ بھی۔ فون آیا تھا کہ فقیر نفیس بھی راہی ملک بقا ہو گئے میرے آس پاس ٹیلی فون لائنیں بہت مصروف تھیں برابر سننا رہی ہیں ایک دم انتہائی پرنسل نقصانات کی خبریں دے رہی ہیں برابر دکھ پہنچا رہی ہیں

Scanned with CamScanner

کیا کیا جائے۔ اللہ جانتا ہے میں نے شہد کی مکھی کی طرح کام کیا ہے اور قطرہ قطرہ
شہد اکٹھا کیا ہے کہ خبریں آ رہی ہیں اور ایک ایک کرکے شہد کے میرے برتن ٹوٹتے
جاتے ہیں۔ جمال احسانی بھی گئے حالانکہ ایسی کوئی عمر تو نہیں تھی۔'' ۴۰

ان کے قریبی ساتھیوں میں سے ڈاکٹر فاطمہ حسن بھی تھی جمال احسانی نے اپنی عمر کے آخری ایام ان کے گھر گزارے اپنے تعزیتی تاثرات میں لکھتی ہیں:

''جمال احسانی سے میرے خاندانی مراسم تھے۔ وہ بہت اچھا دوست تھا اور وضع داری سے اپنے رشتوں کو نباہتا تھا۔ وہ شاعر بھی بہت اچھا تھا اور بہت کم عمر میں اس نے ادبی سطح پر نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس نے ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے اساتذہ کو بھی بہت پڑھا تھا وہ اپنے مضامین میں اساتذہ کے اشعار ضرور حوالے کے طور پر دیا کرتا تھا۔ جمال احسانی کو سلیم احمد کی قربت بھی حاصل رہی۔ قمر جمیل سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ حسن عسکری بھی وہ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ان شخصیات کی تربیت سے اس کی شاعری کے روایتی انداز میں بڑی تبدیلی آئی تھی اور ان کا اپنا لہجہ بن گیا تھا۔ ادب کو اس نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ اس کی ادب سے بڑی گہری وابستگی تھی۔'' ۴۱

جدید لب و لہجے کے شاعر رسا چغتائی اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں:

''جمال احسانی بہت پیارا انسان اور بہت خوبصورت شاعر تھا۔ میں نے اس کی شاعری کا ابتدائی زمانہ بھی دیکھا ہے بلاشبہ اس نے بہت جلد ادبی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ عوامی سطح پر بھی اس کی شاعری نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے اپنی شاعری میں جدید انداز اختیار کیا لیکن روایت سے کبھی بغاوت نہیں کی۔ میں اسے اس کی متوازی فکر کا کمال سمجھتا ہوں۔ خدا اس کی مغفرت فرمائے۔'' ۴۲

شاہدہ حسن لکھتی ہیں اپنے تعزیتی تاثرات میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''جمال احسانی کی اس نوع کی علالت اور اس طرح ان کے ہم سب کو چھوڑ کر چلا جانے سے دل شدید قلق ہو رہا ہے۔ اب سے چند ماہ پہلے برمنگھم مشاعرے میں جو لوگ مدعو تھے ان میں ہمارے ساتھ جمال احسانی بھی اس سفر کے دوران ہی میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کی صحت تیزی سے گر رہی ہے لیکن وہ پر امید تھے کہ وہ بہت

Scanned with CamScanner

جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ جمال احسانی ہمارے جدید عہد کے لکھنے والوں میں اپنی ایک شناخت رکھتے تھے انہوں نے اپنی شاعری میں عصر حاضر کی ترجمانی کی ہے۔ ان کی غزلوں کا اپنا ایک رنگ ہے جس کی وجہ سے انہوں نے بہت جلد لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ مشاعرے میں کلام سنانے کا بھی ان کا ایک خاص انداز تھا۔ ان کے دکھ جانے سے یقیناً ادبی حلقوں کا نقصان ہوا ہے۔ خداوند قدس ان کی مغفرت فرمائے۔'' ۴۳

ان کی وفات پر بہت سے شعراء نے قطعہ تاریخ وفات کہے۔ ان کی لوح مزار پر راغب مراد آبادی کا یہ قطعہ کندہ کرایا گیا۔

ذی علم و ہنر جمال احسانی تھے
مائل بہ سفر جمال احسانی تھے
بخشیں گے عدم میں بھی سخن کو تب و تاب
''نو روز نظر جمال احسانی تھے'' ۴۴

جون ایلیاء کے ساتھ بھی جمال احسانی کی کئی شامیں گزری ہیں جمال احسانی کی وفات پر جون ایلیا نے بھی رثائی نظم لکھی تھی جس کا عنوان ''ہائے جمال احسانی'' تھا۔ نظم ملاحظہ ہو:

''ہائے جمال احسانی''

تو نے یہ کیا جمال آخر
اس میں تھا کون سا کمال آخر
تجھ کو یہ کیسی نیند آئی ہے
یہ تو ہم سب سے بے وفائی ہے
آج ہے شاعری اُداس بہت
حُسن فن نے شکست کھائی ہے
دل نے دھڑکن کا ساتھ چھوڑا ہے
شمع نے روشنی گنوائی ہے

Scanned with CamScanner

کس سے اس شخص کا گلہ کیجیے
نہیں آیا سمجھ میں کیا کیجیے
جاں فزا صبح و شام کی یارو
تم نے دل کو مرے سہارا دو
اے مرے داغ ہائے دل مجھ کو
اپنی سوزش سے اور ایذا دو
آج کا دن نہیں شراب کا دن
آج تو مجھ کو زہر پِلوا دو
یہ جنازہ جمال فن کا ہے
اہل فن! اس کو بڑھ کے کاندھا دو
اس کو کرنا ہے اک غزل تحریر
قبر میں روشنی کو پہنچا دو
کیسا نقصان ہو گیا اپنا
شہر سنسان ہو گیا اپنا
زندگی کیا ہے صرف ایک ٹھٹھول
اس کو میزان فکر میں مت تول
موت ہے اور ہوس خرید کی
اور کچھ بھی نہیں یہاں انمول
ہے اگر سوچنا تو کچھ مت سوچ
ہے اگر بولنا تو کچھ مت بول
لمحہ لمحہ پڑھا کر کریں انسان
نوحہ کل من علیھا فان ۴۵

جمال احسانی بہت خوشگوار مزاج رکھنے والے شخص تھے۔ ان کی وفات پر ملک کے نامور اہل قلم حضرات

Scanned with CamScanner

نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ کسی بھی بڑے شاعر کی کامیابی یہ ہوتی ہے کہ اسے اس عہد کے شعراء تسلیم کریں۔ ان کی وفات پر ملک کے نامور شعراء کے ساتھ ساتھ غیر ملکی شعراء نے بھی گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ اس کو اپنے عہد کے لوگوں سے بھی بہت پیار ملا۔ تمام عمر کی جہد مسلسل کے بعد جمال احسانی کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ شاید اب وہ زندگی کی ڈور سے نکلنے والا ہے۔ اپنے کئی اشعار میں انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

نہ کوئی فال نکالی نہ استخارہ کیا
بس ایک صبح یونہی خلق سے کنارہ کیا ۴۶

☆

چراغ بجھتے ہی چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے ۴۷

اور اتفاقاً جو انہوں نے آخری شعر کہے جس میں اس نے دُنیا سے رخصت کا اشارہ دے دیا تھا۔

تمام اسباب خاک و آب کو ڈھونڈنے والا ہے
ترا مہمان چند لمحوں میں رخصت ہونے والا ہے ۴۸

جمال احسانی کے وفات کے بعد ان کی یاد میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں گورنر سندھ سے یہ مطالبہ کیا کہ جمال احسانی کے پسندگان کے لیے رہائش اور اکادمی ادبیات الاؤنس مقرر کرے۔ اس مطالبے کا جواب فوری طور پر مثبت انداز میں حکومت کی طرف سے موصول ہوا۔ اس وقت کی سینئر صوبائی وزیر کی خصوصی نمائندہ شاہدہ چشتی نے کہا کہ جمال احسانی کی بیوی اور بچوں کے لیے جلد از جلد فلیٹ کا انتظام کر دیا جائے گا اس سلسلے میں کاروائی شروع ہو گئی ہے چنانچہ فاطمہ حسن اور دیگر دوستوں کی کوششوں سے حکومت نے فلیٹ کے کاغذات جمال احسانی کی بیوہ کے حوالے کیے اور پندرہ دنوں کے اندر انہیں ڈبلیو ٹی کی جانب سے شہناز جمال کو فلیٹ کا مالک قرار دے دیا گیا۔ ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء کو ادب کا یہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

حوالہ جات

۱۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، اشاعت ۲۲ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۱۰

۲۔ جمال احسانی، تارے کو مہتاب کیا، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲ مئی ۲۰۰۵ء)، ص: ۱۷

۳۔ راقم کا ہلال عثمانی سے انٹرویو، بمقام گلستان جوہر کراچی، بتاریخ ۵ مارچ ۲۰۲۰ء، دن ۸ بجے

۴۔ جمال احسانی، درونِ خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، ص: ۱۰

۵۔ راقم کا ہلال عثمانی سے انٹرویو، بمقام گلستان جوہر کراچی، بتاریخ ۵ مارچ ۲۰۲۰ء، دن ۸ بجے

۶۔ جمال احسانی، درونِ خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، ص: ۱۰

۷۔ جمال احسانی، تارے کو مہتاب کیا، ص: ۱۷

۸۔ ایضاً، ص: ۱۸

۹۔ ایضاً

۱۰۔ جمال احسانی، درونِ خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، ص: ۱۰

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، سر گذشت جمال احسانی، کراچی، اشاعت ۲ مئی ۱۹۹۸ء، ص: ۲۰۔۲۱

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً، ص: ۵

۱۵۔ غضنفر ہاشمی کو انٹرویو، روزنامہ خبریں (ادبی ایڈیشن)، اسلام آباد، ۲۷ نومبر ۱۹۹۷ء، ص: ۱۹

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۹

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ سلیم احمد، تارے کو مہتاب کیا، تقریب رونمائی، ہم سخن رائٹر فورم، کراچی، لاہور، اسلام آباد، ص: ۱۲

Scanned with CamScanner

۲۰۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، ماہنامہ سرگذشت، مدیر: انور فراز، جلد ۸، شمارہ ۷، کراچی، ۲ مئی ۱۹۹۸ء، ص: ۲۲

۲۱۔ صابر وسیم، آنسوؤں کے درمیان، مشمولہ روزنامہ جسارت (سنڈے میگزین)، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۲۲۔ امجد اسلام امجد، چشم تماشا، مشمولہ روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۹

۲۳۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، ص: ۱۰

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، ماہنامہ سرگذشت، مدیر: انور فراز، ص: ۲۳

۲۷۔ صابر وسیم، آنسوؤں کے درمیان، مشمولہ روزنامہ جسارت (سنڈے میگزین)، ص: ۸

۲۸۔ غوث متھراوی، کہانی مختصر کوئی نہیں ہے، (کراچی: ظہوریہ اکیڈمی، اشاعت جولائی ۲۰۰۳ء)، ص: ۲۵۷

۲۹۔ صابر وسیم، آنسوؤں کے درمیان، مشمولہ روزنامہ جسارت (سنڈے میگزین)، ص: ۸

۳۰۔ شکیل عادل زادہ، تعزیتی تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ (سنڈے ایڈیشن)، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۱۰

۳۱۔ نصیر تراجی، تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۳۲۔ مشتاق یوسفی، تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۳۳۔ سرشار صدیقی، تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۳۴۔ جمال احسانی، درونِ خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، ص: ۱۰

۳۵۔ اعتبار ساجد، تارے کو مہتاب کیا، تقریب رونمائی، ہم سخن رائٹر فورم، کراچی، لاہور، اسلام آباد، ص: ۳۱

۳۶۔ راقم کا ہلال عثمانی سے انٹرویو، بمقام گلستان جوہر کراچی، بتاریخ ۵ مارچ ۲۰۲۰ء، دن ۸ بجے

۳۷۔ امجد اسلام امجد، چشم تماشا، مشمولہ روزنامہ جنگ، ص: ۹

۳۸۔ راقم کا اعتبار ساجد سے انٹرویو، بمقام جی سی یونیورسٹی لاہور، بتاریخ ۱۰ مارچ ۲۰۲۰ء،

Scanned with CamScanner

۳۹۔ سعد اللہ شاہ، ترو تازہ یادیں، مشمولہ روزنامہ دُنیا(اسپیشل فیچر)، ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص: ۲۲

۴۰۔ اسد محمد خان، تعزیتی تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۴۱۔ فاطمہ حسن، تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۴۲۔ رسا چغتائی، تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۴۳۔ شاہدہ حسن، تاثرات، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۴۴۔ راغب مراد آبادی، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۴۵۔ جون ایلیا، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

۴۶۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، (کراچی: سندھ آفس پریس، ۱۹۸۶ء)، ص: ۵۰

۴۷۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء)، ص:

۴۸۔ جمال احسانی، تارے کو مہتاب کیا، ص: ۱۵

☆☆☆

Scanned with CamScanner

باب دوم:

جمال احسانی کی غزل کی فکری جہات

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کی غزل کی فکری جہات

شاعری وظائف انسان میں ایک ایسا تخلیقی وظیفہ ہے جو سب سے اہم اور قدرے مشکل عمل قرار پاتا ہے۔شعر و نثر سے زبان کے ادبی سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے اور زبان کا لسانی ڈھانچہ توانا ہوتا ہے۔ اُردو زبان دُنیا کے بہترین ادبی سرمائے سے مالا مال ہے۔ اُردو شاعری میں صنف غزل ایک ایسی سرسبز شاخ ہے جو ہر دور میں تازہ رہی ہے اور یہ صنف ہماری تہذیبی و ثقافتی ورثہ کی زماں در زماں امین ہے۔ اُردو غزل ایک زندہ روایت کی حامل صنف سخن ہے اور خیال کی نزاکت کو بیان کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اُردو میں صنف غزل کے ظہور میں آنے کے مقبول مباحث فارسی ادب کو بطور وسیلہ ٹھہرانے کے حامی ہیں تاہم وقت کے بہاؤ کے ساتھ یہ صنف مختلف لسانی، عمرانی و تاریخی حقائق کے انضمام کو قبول کرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو غزل کو کلاسیک اور جدید ادوار کے خانوں میں نامزد کر کے پڑھنے کی حکمت عملی اپنائی جا رہی ہے۔غزل کی منفرد ہیئت ہی اسے دیگر اصناف سخن سے ممتاز کرتی ہے۔غزل کی ابتداء حسن و عشق کے موضوعات سے ہوئی، بعد میں تصوف و عرفان کے موضوعات بھی شامل ہو گئے اور عصر حاضر تک آتے آتے غزل کا دامن بہت وسیع ہو گیا۔غزل کا دامن شروع سے ہی وسیع تر رہا ہے۔ درحقیقت غزل تمام عوامل حیات کی بخوبی ترجمانی کر سکتی ہے اور کرتی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ غزل دیگر اصناف شاعری سے الگ شناخت رکھتی ہے۔غزل کا مزاج لطافت، گداز روانی، موسیقیت، معنوی تہہ داری اور آروزومندی کا حامل ہوتا ہے۔ اپنے علامتی بیانیہ کی وجہ سے غزل مجاز مرسل ہی کی ایک قسم قرار پاتی ہے جس میں جز کہہ کر کُل مراد لیا جاتا ہے۔ بہت کم کہہ کر بہت لامحدود مطالب اخذ کئے جا سکتے ہیں۔غزل کا شاعر خارجی تجربے کا فوراً اور براہِ راست اظہار نہیں کرتا بلکہ شدت جذبات میں بھی استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ''غزل کے دائرے میں داخل ہوتے ہی شخصی تصورات عمومی تصورات کا لباس پہن لیتے ہیں اور فرد کے مخصوص تجربات میں ایک ہمہ گیری اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے اس طور کے کسی خاص احساس یا تجربے کا تجزیاتی مطالعہ عالمگیر احساسات کے محاکمہ

Scanned with CamScanner

میں ضم ہو جاتا ہے۔ یہی غزل کا ممتاز ترین پہلو ہے۔''[۱]

غزل کا شاعر وزن کے انتخاب میں آزاد ہے۔غزل کا اسلوب شاعر کے ذہنی اسلوب پر منحصر ہے۔ اُردو غزل ایک توانا روایت رکھتی ہے۔ اُردو میں غزل کا آغاز ریختہ گوئی یعنی فارسی اور ہندی کے تال میل سے ہوا۔ اُردوغزل کی ابتدائی شکل ریختہ کی صورت میں ملتی ہے۔ امیر خسرو کے کلام میں غزل کی ابتدائی شکل ملتی ہے۔غزل کے ابتدائی ڈھانچے کوتشخص فراہم کرنے میں ولی، دکنی کا بڑا کردار ہے۔ ولی نے فارسی اورعربی بحور کو اُردو میں ڈھالا۔ فارسی محاوروں کا اُردو ترجمہ کرکے اپنی غزلوں میں استعمال کیا جس سے غزل کو استحکام ملا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں''ولی کے لسانی تجربات سے اُردو شاعری میں غزل ایک ایسی صنف سخن بن گئی جس میں زندگی کے ہر رنگ کے تجربات کو بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔''[۲]

دکن میں کہی جانے والی اُردوغزل فارسی روایت سے برخلاف محبت کا عورت کی زبان سے اظہار کرتی نظر آتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہندی گیت ہے۔ ہندی گیتوں میں تخاطب کی انفعالیت عورت سے منسوب کی جاتی تھی اور جس سے کلام کیا جا رہا ہوتا تھا وہ مرد سمجھا جاتا تھا۔ دکن میں اُردوغزل کا یہ لہجہ نہایت منفرد اور دلچسپ محسوس ہوتا ہے۔ ولی کا دیوان اہل دلی کے لئے تخلیقی رویوں کی نظیر ثابت ہوا اور اُردو کی پہلی تحریک ایہام گوئی کا سبب بھی بنا۔ یہ رجحان ایک صنعت قرار پایا اور اس میں لفظ کے متعدد معنوی تجربے ہوئے۔ دہلی میں نادر شاہ کے حملے کے بعد مجلسی فضا بری طرح خراب ہوگئی جس نے ایہام کومقبول بنایا تھا۔ تازہ گوئی تحریک نے زبان کی اصلاح کا کام کیا۔ اُردوغزل کے ان ارتقائی مراحل میں میر درد، سودا اور قائم ایسے شعراء میں شامل ہیں جنہوں نے لسانی وعروضی دونوں سطح پر تجربات کرکے غزل کومنفرد اسالیب سے آشنا کیا۔ میر تقی میر نے اُردوغزل کوعوامی لہجہ سے مزین کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں''وہ اشعار میں بھی وہی زبان استعمال کرتے تھے جو بقول خود ان کے جامع مسجد کی سیڑھیوں میں بولی جاتی تھی۔''[۳]

میر تقی میر کی غزل کولہجہ عام کی شاعری کہا گیا وہاں ان کے معاصرین نے عامیانہ شاعر قرار دے کر تضحیک کی کوشش کی مگر اپنی نوعیت کا یہ شاندار تجربہ تھا جس نے میر کی غزل کو کلاسیکی اُردوغزل کا ایک بڑا حوالہ ثابت کیا۔غزل میں میر کے عہد کا دوسرا بڑا نام مرزا رفیع سودا کا ہے جنہوں نے قصیدے کے ساتھ ساتھ اُردو غزل میں ممتاز اثاثہ چھوڑا ہے۔ سودا نے مشکل بحروں میں غزل کہنے کی کامیاب کوشش کی۔ اُردو غزل میں تجربات کے حوالے سے دبستان لکھنو کے شعراء کی غزل بھی لائق اعتنا ہے۔ ناسخ نے عربی و فارسی لفظیات کے

Scanned with CamScanner

ساتھ بعض علمی اصطلاحات کو بھی غزل کا حصہ بنایا۔انشاء، ذوق اور آتش نے ناسخ کی لسانی اصطلاحوں کو اپنانے سے گریز کیا۔ اُردو غزل کے کلاسیکی دور میں غالب پہلے شاعر ہیں جن کے ہاں اسلوب کا نیاپن نمایاں ہے۔ انہوں نے روایت سے گریز پا ہو کر جدت کو ترجیح دی اور ایسی طرزِ اختیار کی بنیاد رکھی جن پر ان کی پُرشکوہ غزل کی عمارت قائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ غالب نہ صرف اپنے عہد کے بڑے شاعر تھے بلکہ ان کے کلام کو آج بھی ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ غالب کا اسلوب تہہ داری کی عمدہ مثال ہے۔ اس بابت یوسف حسین لکھتے ہیں ''مرزا کا تغزل اُردو زبان میں رمز نگاری کا آخری نقطہ ہے۔ وہاں صرف ان کی رسائی ہوسکتی ہے جو اس کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔'' ۴

مرزا غالب کے اشعار میں ظرافت، بذلہ سنجی اور شوخی و مزاح کے عناصر پائے جاتے ہیں حالانکہ ان سے قبل اُردو غزل کی کلاسیکی روایت میں بیشتر سرمایہ المیاتی اور خزینہ اسلوب کا تھا۔ مومن بھی غالب کی طرح روش عام سے علیحدہ رہنے کے قائل تھے۔ مومن کی غزل میں رعایت لفظی اور صنعت مرأۃ النظیر کا خوبصورت استعمال ملتا ہے۔ ان کے ہاں معاملہ بندی کے اعلیٰ نمونہ اشعار موجود ہیں۔ ۱۸۵۷ء کا واقعہ برصغیر میں آنے والی تبدیلیوں کا نقطہ آغاز تھا۔ سقوطِ دہلی کے بعد غزلوں کو حفانِ دہلی بھی کہا جاتا ہے۔ اس عرصے میں غزل کے ایک شاعر داغ دہلوی ایسے بھی ہیں جنہوں نے غزل کے محاورے ایمائی اسلوب متاثر کئے بغیر سماجی ابتری کی عکاسی کے لئے واسوخت کا رنگ اپنایا۔ جدید غزل کے لئے حالی کی نظریہ سازی ایک اہم حوالہ رکھتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف غزل پر تنقید کا آغاز کیا بلکہ جدید لب و لہجہ کی غزل کی آئندہ عمارت کی خشت اوّل رکھنے کا سہرا بھی انہی کے سر جاتا ہے۔ حالی کی غزل کے بارے میں ڈاکٹر وقار احمد رضوی لکھتے ہیں ''ان کی غزلوں میں قومی احساس اور نیا سیاسی شعور ہے۔ حالی نے اپنی ادبی شریعت میں غزل کے نادیدی محبوب کو چھوڑ کر قوم کو غزل کا محبوب بنایا ہے۔ غم عشق کی بجائے قوم کا دردِ دل سمویا ہے۔'' ۵

حالی نے اُردو شاعری میں جو تبدیلی کا راستہ دکھایا اس کے امکانات اور اثرات کو بعد میں آنے والوں نے قبول کیا۔ مثال کے طور پر اس عہد کے نامور شاعر اسماعیل میرٹھی نے اپنے کلام کے مجموعی مزاج کے مطابق بچوں کے لئے بھی غزلیں کہیں اور اپنے اس تجربے کو بہاریہ غزل یا نصابیہ غزل کا نام دیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے رزمیہ آہنگ میں غزلیں کہیں اور اُردو غزل میں کربلا کا استعارہ استعمال کیا۔ حالی کے معاصرین میں اکبر کی غزل بڑی اہم ہے۔ اکبر نے بدیسی تہذیب کو اس کی اپنی لفظیات میں ہدف اور طنز بنایا۔ اس دور میں غزل کا

Scanned with CamScanner

چراغ مدہم ضرور ہوا مگر بعض شعراء جن میں بیخود دہلوی سائل دہلوی جیسے شعراء شامل ہیں بجھنے نہیں دیا۔ اس دور میں غزل کو تنقید کا بھی خوب سامنا کرنا پڑا جس میں کلیم الدین احمد، جوش ملیح آبادی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔لکھنو میں غزل کی نشاۃ الثانیہ صفی لکھنوی، ثاقب لکھنوی، عزیر لکھنوی، آرزو لکھنوی کی بدولت ہوئی۔ اکبر الٰہ آبادی اور لکھنو کے جدید شعراء کے بعد غزل کی روایت کو استحکام بخشنے والوں میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے۔ علامہ اقبال کی غزلوں میں قومی جوش، ولولہ، امید، ارتقا ہے۔ ان کی غزلوں میں حافظ کا سوز، بیدل کا انداز اور غالب کی رفعت خیالی ہے۔ اقبال کی شاعری کی سب سے نمایاں جذبہ احیائے قومی ہے۔ اس حوالے سے فتح محمد ملک لکھتے ہیں ''پرانی غزل کے نظام اقدار پر غالب کے ہاں تشکیک نمودار ہوئی وہ اقبال کے ہاں یقین میں بدل جاتی ہے۔ اقبال غزل کے خاکستر سے ایک نیا جہانِ غزل تیار کرتے ہیں۔''[۶]

اقبال کے بعد فراق گورکھپوری جدید غزل کے پیش رو ٹھہرے۔ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں ترقی پسند تحریک شروع ہوئی جس کے بارے میں عام خیال یہ پایا جاتا تھا کہ اس سے وابستہ دانشور غزل کے مخالف تھے۔ یہ ایک غلط فہمی تھی کہ ترقی پسند شعراء نے اپنے تحریکی مقاصد کے لئے زیادہ تر نظم کو وسیلہ اظہار بنایا لیکن سجاد ظہیر مجنوں گورکھ پوری، آل احمد سرور، سجاد ظہیر میں سے کسی نے بھی غزل کی صنف کو اعتراض کا نشانہ نہیں بنایا تاہم یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہئے کہ ترقی پسند غزل گو شعراء نے نئے دور کے نئے مسائل بیان کرنے کے لئے اسلوب اور آہنگ کے تجربات بھی کئے۔ ترقی پسند غزل گو شعراء میں فراق، فیض، مخدوم، مجاز، ساحر، جذبی، احمد ندیم قاسمی، کیفی اعظمی، جان نثار اختر، اختر الایمان، عبدالحمید عدم، صوفی غلام تبسم اور دیگر شعراء کے نام قابل ذکر ہیں۔ حلقہ اربابِ ذوق کے شعراء نے غزل میں کلاسیکیت کی تجدید کی اس گروہ کے اہم غزل گو شعراء میں میرا جی، راشد، مختار صدیقی، یوسف ظفر، قیوم نظر اور دیگر شعراء شامل تھے۔ حلقہ اربابِ ذوق کے شعراء کی شاعرانہ غزل کی خصوصیات میں علائم و استعارات، فضا آفرینی لفظی و معنوی روابط اور روحانیت شامل ہیں۔ حلقہ کے ابتدائی دور میں شعراء نے اُردو نظم کی جانب خصوصی نگاہ التفات رکھی لیکن غزل کا چراغ بجھنے نہ پایا۔ جدید غزل میں فیض احمد فیض منفرد مقام رکھتے ہیں۔ تابش دہلوی، سیف الدین سیف، عبدالحمید عدم، احسان دانش اس قبیل کے قابل ذکر شاعر ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا تو آزادی کی قیمت مذہب کے نام پر کم و بیش پندرہ لاکھ سے زائد لوگوں کا قتل ہوا اور ڈیڑھ کروڑ افراد نے ہجرت کی۔ فرقہ وارانہ فسادات نے اندازِ فکر کو بدل ڈالا اور شعر و ادب پر سناٹے کی فضا چھا گئی۔ اس کے بعد غزلوں میں ظلم و بربریت کے مضمون کو نہایت دل سوزی سے شامل کیا

Scanned with CamScanner

گیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وقار احمد رضوی لکھتے ہیں ''آزادی کے بعد حبس، شدید مایوسی، ویرانی، تاراجی، بے اطمینانی کو شعراء نے محسوس کیا اس کا اثر اس دور کی غزلوں میں موجود ہے۔'' ؎

۱۹۴۷ء کے بعد غزل کا احیاء ہوا۔ اس سے قبل ترقی پسند تحریک کے زیر اثر غزل نظم کے نرغے میں آ گئی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد جن شعراء نے غزل کو سہارا فراہم کیا ان میں ناصر کاظمی، مصطفیٰ زیدی، حفیظ ہوشیار پوری، قتیل شفائی، ابن انشاء، مجید امجد، ضیاء جالندھری، ادا جعفری وغیرہ شامل ہیں۔ اس دور کی غزل میں میر پسندی کا رجحان بڑھا۔ اس سلسلے میں ناصر کاظمی، ابن انشاء اور خلیل الرحمٰن اعظمی کے نام پر لیے جا سکتے ہیں۔ ناصر کاظمی نے معاشرے کی بے صبری اور تنہائی کے موضوع کو دردِ عشق میں ڈھال کر غزل میں پیش کیا ہے۔ مصطفیٰ زیدی کی غزل جوش کی غزل کے نزدیک ہے۔ حفیظ ہوشیار پوری بزرگ غزل گو شاعر تھے اور ناصر کاظمی کے استاد تھے ان کی غزل فراق، حسرت اور جگر و اصغر کی ایک کڑی ہے اور انہی روایات کا تسلسل ہے۔ قتیل شفائی بھی غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں میں محرومی، دکھ اور قنوطیت کی فضاء ہے۔ ان کے گیتوں کی فضاء رومانوی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اُردو شاعری کا ایک دور لسانی تشکیلات کا بھی ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں مغرب کی جدید تحریکوں کے سبب یہ فکری رویہ خاصی مقبولیت حاصل کر گیا کہ ادب اور حقیقت آفرینی کا دارومدار خالصتاً انسانی دماغ اور تعلق پر مبنی ہے۔ لسانی تشکیلات کے شاعروں میں افتخار جالب، ظفر اقبال، جیلانی کامران، انیس ناگی، احمد ندیم قاسمی اور سلیم شہزاد کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ لسانی تشکیلات کے زیر اثر ظفر اقبال نے غزل میں فنی تجربے کئے جو ان کے مجموعہ کلام ''گُلِ آفتاب'' اور ''آبِ رواں'' میں شامل ہیں۔

اُردو غزل کی روایت و ارتقاء کے تناظر میں دیکھا جائے تو جمال احسانی ایسے غزل گو کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنے فکری رویوں کی بدولت اپنے ہم عصروں سے بہت مختلف ہیں۔ جمال احسانی جدید غزل کا ایک روشن ستارہ ہے۔ جمال احسانی کی غزل اپنے عصری رجحانات اور فکری محرکات کی روشنی میں قاری کو اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔ جمال احسانی کی غزل کا تعلق براہِ راست انسانی زندگی سے استوار ہے۔ وہ اپنی اصلی زندگی سے مشاہدات اور تجربات اخذ کر کے اپنا ایک شعری جہان آباد کرتے ہیں۔ ان کی شاعری زندہ تجربوں کا ایک ایسا اشاریہ ہے جس میں جمال احسانی کی غزل کے فکری خدوخال سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جمال احسانی کا یہی وصف ان کے فکری جہان کو ایک قاری کے لئے مؤثر بناتا ہے۔ سترہ برس کی عمر میں انہوں نے جس سفر کا آغاز کیا تھا۔ ۳۱ سال کی عمر میں وہ سفر اپنے پہلے پڑاؤ سے آشنا ہوا۔ ۱۴ سالہ یہ شعری مسافت مختلف رسائل و جرائد اور مشاعروں

Scanned with CamScanner

سے ہوتی ہوئی کتاب کی منزل تک پہنچی۔ آئندہ سفر کے لئے اس منزل کو ایک موڑ تصور کرتے ہوئے مسافر نے اسے ''ستارہ سفر'' قرار دیا۔ یہ واقعی ایسی منزل تھی جس نے اس کے اندازِ سفر اور حاصل سفر سے اس رہگزار کے دیگر مسافروں کو آشنا کیا۔ جمال احسانی کی شاعری کے حوالے سے آصف فرخی کہتے ہیں:

> ''محراب غزل میں چراغ جہاں جلانے والوں میں ایک نام جمال احسانی کا بھی ہے۔ ایسا نام جسے اس صف میں شامل ہوئے بہت مدت نہیں گزری تاہم جس نے غزل کی بساطِ ہفت رنگ میں اپنے شیوہ گفتار کی بدولت شہرت بھی پائی اور وقار بھی فی زمانہ غزل وہ عروس ہزار داماد معلوم ہوتی ہے جو ہجومِ عاشقاں کے سبب رسوا ہوئی ہے۔ معدودے چند سخن در ایسے بھی ہیں جن کے برتاؤ سے اس کی دوشیزگی جمال نکھرتی چلی آتی ہے۔ ذرا دیکھئے تو ہوائے زمانہ کے سامنے یہ شخص جو چراغ لے کر آ رہا ہے اس کی دیوار پر کیسی کیسی صورتیں اُبھرتی ہیں۔ یہ دو مصرعے وہ نقشے ہیں جس میں عصر حاضر کا تنہا ہزیمت خوردہ آدمی ناآسودگی کے دشت بلا میں ٹوٹتے ہوئے رشتے ہائے من و تو کو ڈھونڈتا ہے۔ یہ غزل اسی آدمی کا ترانہ وجود معلوم ہوتی ہے۔ اس کے شعری و فنی محاسن کا اندازہ تو اس فن کے ماہرین لگائیں گے۔ میرے لئے یہی غنیمت ہے کہ اس میں ایک کیفیت ہے اور خود شاعر کے الفاظ ہم اہل محبت کو یہ املاک بہت ہے۔'' [۸]

جمال احسانی کا شعری سفر ان کے مجموعے کلام ''ستارہ سفر'' سے شروع ہوا۔ ناقدین کی پسندیدگی سے قطع نظر یہ پورا مجموعہ اُردو شاعری میں ایک نہایت معتبر اضافہ تھا۔ ہر غزل، ہر شعر جمال احسانی کے فن کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ان کے اس مجموعہ کلام سے جمال کا تابناک شعری مستقبل بھی لوگوں سے چھپا نہ رہا۔ اس وقت کے مشہور اور معروف شعراء کرام جن میں احمد ندیم قاسمی، پروین شاکر، ساقی فاروقی، ریاض احمد شاد وغیرہ نے ان کی شعری مجموعہ کی تقریب رونمائی میں شرکت کی۔ جمال احسانی کی ابتدائی تربیت احسان امروہی جیسے روایتی استاد کے ہاتھوں ہوئی۔ انہیں سلیم احمد اور قمر جمیل جیسے جدید شعراء کا قرب بھی حاصل رہا۔ اس قدیم اور جدید شاعری کے ملاپ سے ان کی شاعری ایک طرف تو روایت کا رنگ لئے ہوئے ہے وہیں اس میں جدیدیت کا تڑکا بھی ہے جو اس کی شاعری دو آتشہ بنا دیتا ہے۔ ستارہ سفر کے بعد آپ کے دو مزید شعری مجموعے شائع ہوئے جن میں ایک آپ کی زندگی میں ''رات کے جاگے ہوئے'' اور ایک آپ کی وفات کے فوراً بعد ''تارے کو مہتاب کیا'' شائع

Scanned with CamScanner

ہوا۔ ''تارے کو مہتاب کیا'' کا پیش لفظ بھی خود لکھا اور اپنے بارے میں قاری کو روشناس کروایا۔ اس کتاب کا انتساب انہوں نے اپنی بیوی محترمہ شہناز جمال کے نام اس شعر کے ساتھ کیا:

کوئی طوفان ہو رہتا ہے جمالؔ
ایک دریا کا کنارہ مرے ساتھ [۹]

جمال احسانی ان شعراء میں سے ہیں جو میڈیا پر اتنا مشہور نہیں ہوئے مگر اپنی عمدہ شاعری کی بدولت ہمیشہ قارئین کے ذہنوں پر راج کریں گے۔ جمال احسانی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزل کی فکری جہات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جمال احسانی نے شاعری کی ابتداء کیسے کی اپنے مضمون درونِ خانہ میں اسی بابت لکھتے ہیں ''میں نے شاعری نہ تو پڑھ کر شروع کی اور نہ سن کر یہ دولت مجھے بن مانگے ملی ہے، یہ خزانہ مجھے کسی نقشے سے نہیں بلکہ لغزش پا سے ملا ہے۔'' [۱۰]

جمال احسانی کی یہی عاجزی اور یہی سادگی ان کی پوری شاعری میں نظر آتی ہے۔ جمال احسانی کے ذاتی حالات اس کی شاعری پر بھی اثر پذیر ہوئے۔ ان کی شاعری میں حساسیت، محرومی، پچھتاوے اور تھکن نظر آتی ہے مگر کسی منفی پہلو سے نہیں بلکہ اس پر ہونے والی واردات کے ردعمل کے نتیجے کے طور پر وہ صنفی جذبات کو اپنے اوپر طاری نہیں کرتے بلکہ ان سے آگے نکل کر وہ ایک امید اور حوصلہ تلاش کرتے ہیں۔ جمال احسانی نے اپنی شاعری میں ذاتی تجربات کو اس طرح ضم کیا ہے کہ اس کی شاعری، اس کی زندگی کی کہانی بن کر سامنے آتی ہے۔ ان کی شاعری روایتی مصالحہ چیزوں سے پاک ہے جس سے اس کا قد اپنے ہم عصروں سے بڑھ جاتا ہے۔ جمال احسانی کے ہاں اپنے عصر کی شاعری بھی موجود ہے اور اس عصر میں آگے بڑھ جانے کا امکان بھی موجود ہے۔ اس میں روایت بھی ہے اور جدت بھی۔ جمال احسانی کی شاعری میں کلاسیکی طرز اور جدید حسیت کا ایسا امتزاج ہے جو شعوری نہیں۔ اس کی وجہ اس کا اپنے عہد سے اور نئے لکھنے والوں سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ کلاسیکی شاعری کا گہرا مطالعہ تھا۔ جمال اساتذہ کی زمین پر بھی قدم رکھتا ہے تو اپنی شناخت نہیں کھوتا اسے اپنی بات کہنے کا سلیقہ آتا تھا۔ بقول جمال احسانی:

چاہے جمالؔ دوسرے ہی کی زمین ہو
ہم نے تو جب سنائی ہے اپنی سنائی بات [۱۱]

جمال احسانی کی غزل جدید تر منظرنامہ سے ابھرتی ہے۔ ان کی غزل میں ان کا انفرادی مزاج ان کے

Scanned with CamScanner

عہد کے تجربات، عصری مسائل، سماجی زاویئے اور تخلیقی رجحانات کا تخلیقی اظہار ملتا ہے اور اس تخلیقی اظہار کی انفرادیت انہیں جدید غزل میں اعلیٰ مقام فراہم کرتی ہے۔ جمال احسانی کی شعری جمالیات کو ہم ان کے تصورِ محبت کے آئینے میں سمجھ سکتے ہیں کیونکہ جمال حسانی کے نزدیک محبت اور عشق کا تصور اپنے اندر اچھی خاصی وسعت کا حامل ہے۔ محبت کا موضوع اُردو غزل کی اساس ہے اور غزل کا صحیح مزاج دان محبت کے موضوع سے روگردانی نہیں کرسکتا۔ محبت انسانی رویوں کی تنظیم کرتی ہے، زندگی کے آداب سکھاتی ہے۔ جمال احسانی محبت اور سچائی کے شاعر ہیں۔ انہوں نے محبت اور خلوص کو اپنی ذات کا حصہ بنایا ہے اسے اپنی ذات اور جسم پر اوڑھا ہے۔ ان کی غزل ہمیں اس جانب کھینچتی ہے کہ اس میں محبت اور خلوص کی مختلف جہات ملتی ہیں۔ انہوں نے محبت اور اس کے متعلقات کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور اس جذبے کے ساتھ جڑے ہوئے کم و بیش تمام احساسات کو اپنی غزل کا موضوع بنایا ہے۔ محبت ان کے نزدیک کیا اہمیت رکھتی ہے اور اس کی کتنی وسعت ہے اس کا اندازہ ان کے اشعار پڑھ کر ہو جاتا ہے:

کسی کا حل کسی کا مسئلہ ہے
محبت اپنا اپنا تجربہ ہے [۱۲]

جمال احسانی کے نزدیک محبت کا تجربہ ہر شخص کا انفرادی تجربہ ہے۔ محبت بیک وقت کسی کے لئے مسائل کا باعث ہے اور کسی کے مسائل کا حل بھی ہے۔ جمال احسانی کے ہاں محبت کا موضوع مختلف پیرائے میں بیان ہوا ہے:

یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے [۱۳]

وہ محبت میں صرف یاد رکھنے کے قائل نہیں بلکہ بھلا دینا بھی ایک واقعہ تصور کرتے ہیں۔

کچھ تو مشکل ہے بہت کارِ محبت اور کچھ
یار لوگوں سے مشقت نہیں کی جا سکتی [۱۴]

معاملات محبت میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر بھی ان کے اشعار میں ملتا ہے۔ جمال احسانی کی غزل میں محبت کا آفاقی موضوع اپنی پوری توانائی سے اُبھرتا ہے اور اس کے رنگ جابجا بکھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ یہ ان کی غزل کا بنیادی موضوع ہے۔

Scanned with CamScanner

اسے محبت کرنے کا فن مشکل لگتا ہے
ہمیں نبھانی رسم دعا سلام نہیں آتی ۱۵

☆

تو ہی بتا محبت یہ بھی کوئی خوشی ہے
یہ دل میرا اکیلا اس شہر بھر میں خوش ہے ۱۶

☆

محبت کی بلندی پر ہے یقین تو کوئی
گلے لگائے مری سطح پر اُتر کر مجھے ۱۷

جمال احسانی کی غزل میں محبت کا جذبہ اپنی پوری صداقت اور لطافت کے ساتھ نظر آتا ہے اور اس کے روایتی مدوجزر کو انہوں نے اپنی غزل کی بنیاد بنایا ہے مگر اس میں موجود حد درجے صداقت اور لطافت محبت کی عام مقبول شاعری سے ممیّز و ممتاز کر دیا ہے کیونکہ جس انداز سے وہ ہمیں محبت کی صدا سے متعارف کرواتے ہیں۔ وہ شعری تجربہ عام نہیں بلکہ بہت خاص ہے۔ یہ انفرادیت ان کی غزل کو غیر معمولی تازگی فراہم کرتی ہے۔

جمال احسانی، سائرہ غلام نبی کو دیئے گئے انٹرویو میں ''جذبہ محبت'' کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''میں بہت چاہا گیا شخص ہوں۔ ہر جگہ میری حیثیت مستحکم رہی ہے۔ اپنے گھر میں بہت لاڈلہ رہا۔ سب نے میرے بہت ناز اُٹھائے۔ بڑے بھائی، تایا، چچا، تایازاد بہنیں، ماموں زاد، خالہ زاد وغیرہ سب نے مجھے بے پناہ چاہت کا اظہار کیا۔ ساتھیوں دوستوں نے بھی خوب محبت کی۔ غیرنصابی سرگرمیاں خوب رہیں۔ طلبہ یونین، تقریریں وغیرہ تو ان سب باتوں کی وجہ سے ایک عاشق کی بجائے مجھے میں معشوقانہ پن پیدا ہو گیا۔ میں ہر محبت کو اپنا حق سمجھتا رہا۔ یہ میرا حق ہے اور مجھے ملنا چاہئے۔ ہر آسائش، ایک گھر، ایک نوکری، ایک کار وغیرہ وغیرہ سب میرا حق ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے دور کر لینے کی بجائے خود بخود سب کچھ ملا۔ اس چاہے جانے کے احساس یہ ہوا کہ میں اظہار میں پہل کرنا بھول گیا۔ بعض بہت اچھے لوگ مجھے یوں نہ مل سکے کہ میں ان سے کچھ بھی کہہ نہیں سکا اور میں اسی انتظار میں رہ گیا کہ یہ خود پہل کریں گے ظاہر ایسا نہ ہوا۔ میں محبت میں کہہ دینے کا قائل بالکل نہیں ہوں

Scanned with CamScanner

کیونکہ لفظ تو محبت میں کمی کے خلا کو پُر کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور یہی دیکھو کہ کوئی ماں اپنے بیٹے سے بار بار یہ نہیں کہتی ''آئی لو یو'' کیا وہ محبت نہیں کرتی؟ ہم نے اپنے گھر میں دیکھا اپنے بزرگوں کو دیکھا وہاں محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی ہاں! ایک دوسرے کا خیال رکھا جاتا ہے، احساسات کا، ضرورت کا اس کے پیچھے محبت ہی کا جذبہ ہے کہہ دینا فلرٹیشن ہے۔'' ۱۸

گزرے زمانوں کی یادیں ہر انسان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ہر انسان ان یادوں کو مستقبل کے لئے زادِ راہ بناتا ہے۔ کوئی ان کی مدد سے اپنے زمانے کے مسائل سے گزرتا ہے اور کوئی حال کی تاریکیوں کو ان کی روشنی سے کافور کرنے کا کام لیتا ہے۔ یاد ہماری غزل کا ایک روشن حوالہ ہے۔ یاد کسی اُجڑے ہوئے شہر کی ہو تو ناصر کاظمی جیسی اجنبیت اور اداسی جنم لیتی ہے اور یاد اگر کسی لمس رفتہ کی ہو تو شعروں میں خوشبو بھرنے کا کام کرتی ہے۔ جمال احسانی کے ہاں یاد کا منظر نامہ مختلف رنگوں سے تشکیل پاتا ہے اور ہمیں اپنی جانب بلاتا ہے۔

کبھی بھلا کے کبھی یاد کرکے مجھے
جمالؔ قرض چکانے ہیں عمر بھر کے مجھے ۱۹

☆

تیری یاد اور تیرے دھیان میں گزری ہے
ساری زندگی ایک مکان میں گزری ہے ۲۰

کارِ جہاں کے مرحلے میں انسان کسی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ ایسی یاد جو اس کی فکر کا حوالہ ہے جو اس کی یاداشت کی روشنی ہے۔ کچھ یادیں خوشبو کی طرح ہوتی ہیں جن میں انسان زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ وہ ان یادوں کو اپنی سانسوں میں بسانا چاہتا ہے اور ان کی معطر خوشبو کو لمحہ بہ لمحہ الفاظ میں اتارنا چاہتا ہے۔ اس طرح کی یادوں کا عکس ہمیں جمال احسانی کے ہاں دکھائی دیتا ہے جہاں وہ اس قسم کی یادوں کا حوالہ دیتے ہیں:

نہ وہ دشت سے مجھے اور نہ گھر سے یاد آیا
جو شخص ارادہ ترک سفر سے یاد آیا ۲۱

☆

Scanned with CamScanner

ملنا نہیں تو یاد اسے کرنا بھی چھوڑ دے
دیوار چھوڑ دی ہے تو سایہ بھی چھوڑ دے ۲۲

☆

شکوے میں کبھی اور نہ فریاد میں رکھا
اس دل کو فقط ہم نے تیری یاد میں رکھا ۲۳

جمال احسانی نے یاد کے موضوع کو ایک نئے رنگ روپ، تازگی، دلکشی اور تابنا کی سے ادا کیا ہے۔ ان کی آواز اپنے ہم عصروں میں سب سے الگ سب سے جدا اور منفرد ہے جسے سینکڑوں صداؤں کے درمیان بھی پہچانا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی لفظیات سب سے جدا ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں انور مقصود اس طرح رقمطراز ہیں:

''ہر شاعر کی ایک اُمت ہوتی ہے جو اسے کھینچ کھینچ کر دھکے دے دے کر شہرت کے پُل کو پار کرواتی ہے۔ جمال کو مشہور ہونے میں نہ کسی اُمت کی ضرورت پڑی نہ کسی پُل کی۔ طبیعت شاعرانہ ہے، لااُبالی ہونے کے باوجود سنجیدہ شاعری کرتے ہیں۔ اپنے عہد کی شاعری سے آشنا ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ کسی دوست کے بارے میں لکھنا اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا کسی رقیب کی تعریف کرنا۔ جمال کا نام بلاشبہ اُردو کے شعری ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔'' ۲۴

ہجر اور انتظار کی کیفیات کا تعلق عشق کے تجربے کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور اس کے رشتے اچھے دنوں کی امید کے ساتھ بھی جڑے ہوئے نظر آ سکتے ہیں۔ یہ دونوں کیفیات اُردو غزل کے سرمایہ میں ہمیں کم و بیش ہر غزل گو کے ہاں نظر آتی ہے۔ ان کا فکری رشتہ تصورِ عشق اور واردات قلب کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جہاں عشق ہے وہاں ہجر و وصال کے تجربات ساتھ ساتھ سفر کریں گے۔ ہر چند جمال احسانی کے ہاں عصری مسائل اور سماجی مسائل کا ادراک بھی گہرا ہے مگر ان کی غزل کا غالب موضوع عشق ہے۔ یہ عشق مختلف مراحل میں مختلف رنگ اختیار کرتا ہے اور اس تصور کے اندر رنگارنگی پیدا ہوتی ہے۔ جمال احسانی بنیادی طور پر جذبے کی گہرائیوں اور لطافتوں کو اپنے فن کا حصہ بنانے والے شاعر ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں جذبے کی مختلف سطحیں ابھرتی ہیں اور ان سطحوں کے ساتھ کئی احساسات ان کی غزل کا موضوع بنتے ہیں۔ ان کے ہاں جذبے کی انتہائی باریک پرتوں کو سادگی اور پرکاری سے ادا کرنے کا اسلوب نمایاں ہے۔

Scanned with CamScanner

جز عشق کسے ملی یہ توفیق
جو پایا اسے گنوا دیا ہے ۲۵

☆

ناکامیوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا
ہم نے ترے حصول کو مقصد بنا لیا ۲۶

جمال احسانی کے نزدیک عشق چالاکی نہیں بلکہ سادگی سے عبارت ہے۔ بغیر عشق یہ توفیق بھی خدا نے کسی کو نہیں دی کہ جو کچھ میسر آیا اسے قربان کر دیا۔ عشق کی نگاہ میں سودِ زیاں کے پیمانے کچھ اور ہوتے ہیں اس لئے بظاہر یوں لگتا ہے کہ عشق کا مقصد ہی ناکامی ہے۔ عشق میں وفا نہیں تو وہ ہوس کا دوسرا نام ہے سو اہل عشق کے پاس سوائے وفا کے کوئی راستہ نہیں۔

عشق میں خود سے محبت نہیں کی جا سکتی
پر کسی کو یہ نصیحت نہیں کی جا سکتی ۲۷

☆

ان دنوں عشق سے معطل ہوں
نصف تنخواہ پر گزارہ ہے ۲۸

☆

میں وہ نادہندہ کہ لمحاتِ عشق
کہیں سے اُدھار نہیں مل رہے ۲۹

عشق میں خود سے محبت کرنا حماقت ہے کیونکہ عشق کی راہ میں قدم قدم پر قربانی دینا پڑتی ہے اسی طرح نوکری عشق کی ہو یا سرکار کی اس میں فرہاد کی طرح تیشہ بکف رہنا پڑتا ہے لیکن سہل پسندوں کے لئے عشق و رزق ایسے دشوار مرحلے ہیں جن پر ثابت قدم رہنا ان کے بس کا روگ نہیں سو اس خدمت سے محرومی ان کا مقدر بن جاتی ہے جو ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ عشق سے معطل ہونے والا ہر کسی کا مقروض ہوتا ہے۔ قرض ادا نہ کر سکنے کے باعث اسے نادہندہ قرار دیا جاتا ہے اور مزید اُدھار ملنے کی کوئی سبیل بھی نہیں ہوتی۔ الغرض ایک کشمکش اس کا مقدر ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

جمال احسانی، سائرہ غلام نبی کو انٹرویو دیتے ہوئے جذبہ عشق کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''عشق ایک ایسا جذبہ ہے کہ دل سے ہر سود و زیاں کا احساس مٹا دیتا ہے۔ اس میں بے پناہ ریاضت ہے۔ رات رات بھر جاگ رہیں، گریہ زاری ہو رہی ہے محض ایک نظر ایک مسکراہٹ کے لئے۔ بعض اوقات تو ایک نظر بھی نہیں ملتی۔ ایک مسکراہٹ کا بھی حصول نہیں ہوتا اور اکثر محبوب کو پتہ نہیں چلتا کہ کون اس کی چاہ میں کہاں تک آ گیا؟ کارِ محبت ایسی ضروری ہے کہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے پنکھا بند کر دیا جاتا ہے۔ بہت نیکیاں کرنے والا شخص ہو یا برا ہو تو یہ اس کی ذاتی صفات ہیں لیکن اس کا جذبہ عشق اس کو عاشق کرنا ہے۔ عاشق نیک یا بد نہیں ہوتا۔ وہ محض عاشق ہوتا ہے اور آپ اپنی نیکیوں سے کسی کو نہیں پا سکتے۔ اپنے جذبے کو بروئے کار لا کر ہی حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ عشق تو نام ہے اپنے مقصد اپنے جذبے میں سچا ہونے کا، اس میں ڈوب جانے کا۔'' ۳۰

اور عشق کے جذبوں کا بیان اس غزل کے اشعار میں دیکھئے:

کب پاؤں فگار نہیں ہوتے کب سر میں دھول نہیں ہوتی
تری راہ پہ چلنے والوں سے لیکن کبھی بھول نہیں ہوتی

سر کوچہ عشق آ پہنچے ہو لیکن ذرا دھیان رہے کہ یہاں
کوئی نیکی کام نہیں آتی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی

ہر چند اندیشہ جاں ہے بہت لیکن اس کارِ محبت میں
کوئی پل بیکار نہیں جاتا کوئی بات فضول نہیں ہوتی

ترے وصل کی آس بدلتے ہوئے ترے ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے
کب دل مصروف نہیں رہتا کب جاں مشغول نہیں ہوتی

ہر رنگ جنوں بھرنے والوں ، شب بیداری کرنے والو!
ہے عشق وہ مزدوری جس میں محنت بھی وصول نہیں ہوتی ۳۱

جمال احسانی کے ہاں جذبہ عشق پوری طرح زندہ اور متحرک قوت کے طور پر موجود ہے۔ اس لئے ان کی غزل میں اس مدد سے پیدا ہونے والے مضامین اپنے اندر تازگی کا عنصر لئے ہوئے ہیں۔ جمال احسانی کے ہاں

Scanned with CamScanner

جذبے کی نمود اس مقام پر کچھ اور ترفع حاصل کرتی ہے جہاں وہ عشق کی مابعد الطبیعاتی سطحوں کو اپنے اشعار کا حصہ بناتے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر فاطمہ حسن کہتی ہے:

> ''جمال کی شاعری اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اس نے طویل سفر طے کیا ہے۔ ''ستارہ سفر'' سے ''رات کے جاگے ہوئے'' تک اور پھر بعد کی غزلوں میں کہیں ٹھہراؤ یا انجماد نہیں آتا۔ جمال نے کلاسیکی شاعری کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اس کی ابتدائی تربیت احسان امروہوی جیسے استاد کے زیرسایہ ہوئی اسے سلیم احمد اور قمر جمیل کا قرب بھی حاصل رہا ہے۔ اس طرح جمال احسانی نے غزل کی صنف کو مکمل روایتی انداز میں اپنایا۔ اس کا ڈکشن کلاسیکی روایت سے نہ صرف منسلک رہنا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنا جو تقریباً متروک ہیں جمال کو پسند ہے۔ اسے اس بات کا خدشہ نہیں کہ جدت پسند اسے روایت کے خانے میں ڈال کر نظرانداز کریں گے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اس میں احساس کی وہ رو بھی ساتھ چل رہی ہے جو اس کے ڈکشن پر حاوی آجاتی ہے۔'' ۳۲

کلاسیکی شاعری میں تنہائی روایتی عشق کی پیدا کردہ تھی۔ محبوب وصل سے انکار کر دیتا تو عاشق تنہا ہو جاتا تھا۔ اس تنہائی میں محبوب کی یاد اس کا سہارا بنتی لیکن تنہائی کو جدید شاعروں نے جس وسیع سیاق میں برتا ہے اور اسے جدید دور کے جس بڑے عذاب کے طور پر دیکھا ہے۔ اس سے شعری موضوعات میں اور اضافہ ہوا ہے۔ جمال احسانی کی غزلوں کا ایک موضوع تنہائی بھی ہے۔

انسان اکیلا اور تھکا ہوا فرد ہے۔ اس بھری بزم میں وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ ماحول سے ناآسودگی بڑا فن تخلیق کرتی ہے۔ جمال احسانی کی غزلوں میں سچائی اور انفرادی احساس تنہائی ہے لیکن یہ تنہائی شاعر کی ذات کا المیہ نہیں اور نہ ذات کی نوحہ گری۔ ہر ریاکار اور بے ضمیر معاشرے میں انسان اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ جمال احسانی کی غزلوں میں تنہائی کا کرب نمایاں ہے۔

نہ اجنبی ہے کوئی اور نہ آشنا کوئی
اکیلے پن کی بھی ہوتی ہے انتہا کوئی ۳۳

روایت کو صرف سانچے کی حد تک قبول کرنا اور زبان و بیان میں اتنا تنوع پیدا کرنا کہ شعر ذاتی واردات ہوتے ہوئے بھی سب کے لئے قابل قبول ہو کہ ''گویا یہ بھی میرے دل میں ہے'' تو ایسا ہر شاعر

Scanned with CamScanner

کے ہاں نہیں ہوتا۔ جمال احسانی کی شاعری میں ذات و کائنات کے دکھ گہرے اور وسیع پس منظر رکھتے ہیں۔ شاعر کے لئے تنہائی ایک بڑا عذاب ہے۔ اس تنہائی کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسے ایک کنارے کی تلاش ہے کہ وہ اس انتہا پر نگاہیں جمائے ہوئے ہے جس کے بعد نئے دور کی ابتداء ہو گئی۔ اگر کوئی اجنبی ہی دکھائی دے جائے تو آشنائی کی صورت نکل سکتی ہے مگر یہ ایسی تنہائی ہے کہ دور تک کوئی اجنبی بھی دکھائی نہیں دیتا۔

جو پہلے روز سے دو آنگنوں میں تھا حائل
وہ فاصلہ تو زمین آسمان میں بھی نہ تھا ۳۴

شاعر کے لئے تنہائی اس لئے عذاب بن گئی ہے کہ اسے دو آنگنوں کے درمیان حائل فاصلہ زمین و آسمان کے فاصلے سے بڑھ کر نظر آتا ہے۔

آج نہ جانے کیا گزرے گی تنہا سونے والوں پر
اِک جاڑے کی رات اوپر سے بارش موسلا دھار ہوئی ۳۵

☆

میں تنہا جان اور یہ صحرا تمام ہے
اب اور کوئی دم میں تماشا تمام ہے ۳۶

☆

تنہا بھی منہ اُٹھا کے چلنا محال ہے
ہمراہ بھی ہجوم کے چلنا محال ہے ۳۷

☆

بہت دنوں سے دکھائی نہیں دیا وہ شخص
یہ تجھ سے پوچھتے ہوں گے تری گلی والے ۳۸

جمال احسانی کے مذکورہ بالا اشعار میں تنہائی اور اداسی کی وہ فضا موجود ہے جو کسی تخلیقی فنکار کو اپنی ایک الگ دُنیا آباد کرنے کا سامان پیدا کرتی ہے۔ جمال احسانی نے تنہائی کے موضوع کو اپنے منفرد تخیل سے فکری سطح پر نئی لفظیات سے متعارف کروایا ہے جو ان کے شاعرانہ وقار میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے

Scanned with CamScanner

بارے میں کیفی اعظمی یوں رقمطراز ہیں:

''جمال احسانی صاحب کی شاعری سے اہل پاکستان تو یقیناً محظوظ ہوتے ہی ہوں گے کہ انہیں یہ کتابی شکل میں بھی میسر ہیں مگر ہم اہل بھارت کے لئے ان کا کلام تبرک کی طرح ہے۔ جب وہ بھارت کے شاعروں میں اپنے کلام کی دھاک بٹھاتے ہیں تو یہاں کے بہت نامی گرامی چراغوں کا تیل میں نے کم ہوتے دیکھا ہے۔'' ۳۹

ہجرت ہماری شاعری کا ایک ایسا موضوع ہے جو ایک نسل کا تخلیقی تجربہ بنا اور دوسری نسل نے اسے تجربے کی بازیافت کا کام کیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد غزل گوشعراء کی جو نئی پود سامنے آئی اس میں ناصر کاظمی کا نام سرفہرست ہے۔ ناصر کاظمی کا اسلوب اگرچہ موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے روایتی انداز لئے ہوئے ہے لیکن انہوں نے معاشرتی بے مہری، تنہائی، ہجرت کے موضوع کو دردعشق میں ڈھال کر غزل میں پیش کیا ہے۔ ان کے اشعار پر ۱۹۴۷ء کے فسادات کا اثر ہے۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر کی غزلیں ہجرت ۱۹۴۷ء کی واردات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ناصر کاظمی نے ہجرت کے المیے کو شدت سے محسوس کیا کیونکہ یہ ہجرت ایک زمین سے نہیں تھی بلکہ اس میں انسانی رشتوں کے چھوٹ جانے کا بھی غم شامل تھا۔ ان کی غزلوں میں جلتے ہوئے شہر اور سلگتی ہوئی بستیوں کا غم ہے جس کی بازگشت ان کے اشعار میں سنائی دیتی ہے۔

دیتے ہیں سراغ فصل گُل کا
شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے ۴۰

پیاسی دھرتی جلتی ہے
سوکھ گئے بہتے دریا ۴۱

☆

شہر در شہر گھر جلائے
یوں بھی جشن طرب منائے گئے ۴۲

جمال احسانی کے آباؤ اجداد نے بھی ہندوستان کے شہر پانی پت سے ہجرت کی اور پنجاب کے مشہور شہر سرگودھا میں آکر رہائش پذیر ہوئے۔ اپنے مضمون ''درونِ خانہ'' میں اسی بابت لکھتے ہیں ''۱۹۴۷ء کے اواخر میں والدین بھارت کے ایک قصبے پانی پت سے ہجرت کر کے سرگودھا آ بسے جہاں پہلے ہی سے ان کے دو بڑے بھائی

Scanned with CamScanner

اور دور نزدیک کے عزیز و اقرباء پانی پت سے آ کر جم چکے تھے۔'' ۴۳؎

تلاشِ معاش کے لئے ان کے خاندان کو کراچی ہجرت کرنا پڑی اور پھر یہیں ان کو فنی امتیاز حاصل ہوا۔ اس ہجرت اور نقل مکانی کے اثرات ان کی فکر پر مرتب ہوئے جو مختلف علامات کے ذریعے ان کی غزل کا حصہ بنتے ہیں۔

نہ رنجِ ہجرت تھا اور نہ شوقِ سفر تھا دل میں
سب اپنے اپنے گناہ کا بوجھ ڈھوتے رہے تھے ۴۴؎

☆

ہم سے کرب سرو سامانی ہجرت پہ سوال
اس سے مت پوچھ جو املاک بدل کر آیا ۴۵؎

☆

آسمان پر بھی جہاں لوگ جھگڑتے ہوں جمالؔ
اس زمین کے لئے ہجرت نہیں کی جا سکتی ۴۶؎

جمال احسانی کی ہجرت کے اس احساس کو اس حوالے سے بھی ایک نئی جہت ملتی ہے کہ انہیں ایک ایسے شہر میں زندگی بسر کرنا ہے جس کے باسی نصف صدی کے قیام کے بعد بھی مہاجر کہلائے۔ جمال احسانی کے ہاں جسمانی ہجرت کے ساتھ فکری ہجرت کی علامات بھی غزل کے آرٹ کا حصہ بنتی ہیں۔ ہجرت کی کسک ان کے اشعار میں نمایاں ہے۔

سمجھا نہیں گیا جو مجھے گھر کا آدمی
مجھ میں بکھر گیا میرے اندر کا آدمی ۴۷؎

ہجرت کے بعد نئی فضاء میں اپنا نہ سمجھے جانے کا بھی افسوس جمال احسانی کے ہاں نظر آتا ہے۔ یہ دکھ اسے سمیٹ کر نہیں رکھتا، اس کا ظاہری پیکر جتنا بھی مضبوط اور توانا ہے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل بدستور جاری ہے۔ شکست و ریخت کے اس عمل کے نتیجے میں اس کے اندر کا آدمی بکھر جاتا ہے۔

اس گھر کی فضا نے مجھے مانا نہیں اب تک
پینتیس برس جس میں گزارے ہیں کم و بیش ۴۸؎

Scanned with CamScanner

۱۹۸۰ء کے قریب کراچی اور اس کے پاس ملحقہ علاقوں میں قومیت کے نام جھگڑے شروع ہو گئے۔ ان جھگڑوں سے پاکستان کے دل کراچی کی فضاء سوگوار ہو گئی۔ اسی دور میں متحدہ قومی موومنٹ کا قیام عمل میں آیا۔ سیاسی مفادات کے حصول کے لئے عام عوام کی زندگیوں سے خون کی ہولی کھیلی گئی جس سے قومی تاریخ کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ جمال احسانی چونکہ مہاجر تھے بظاہر اس تحریک کا حصہ نہ ہوتے ہوئے بھی کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اس تحریک کے رکن ہیں۔ جب انہیں بھی اس قسم کی صورتحال کا سامنا ہوا جس میں ایک مدت گزارنے کے بعد بھی اپنا تصور کئے جانے کا یقین نہ ہو تو دکھ کی یہ لہر ان کے اشعار میں در آئی۔

قدر دل مہاجر خستہ کرو کہ یہ
یہ بے شجرہ نسب نہیں بے گھر ضرور ہے [۴۹]

دکھ کی کیفیت ان کے اشعار میں بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔

جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ان کے ہم عصر شاعر صابر ظفر کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''''ستارہ سفر'' اور ''رات کے جاگے ہوئے'' کے بعد جمال احسانی کا تیسرا شعری مجموعہ ''تارے کو مہتاب کیا'' شائع ہو رہا ہے جس کی شاعری ابھی میری نظر سے نہیں گزری مگر جمال احسانی کی شناخت کے لئے دو مجموعے ہی کافی ہیں۔ کلاسیکی شاعری سے لگاؤ اور اس کے گہرے مطالعے سے جمالِ احسانی کے ہاں پختہ کاری بھی آئی اور شعری ذوق میں بھی نکھار آیا۔ اس کا کلام اس کے ہم عصروں نے بھی پسند کیا، اور سینئر شعراء نے بھی۔ میرے نزدیک کسی شاعر کے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ اس کا نام اس کے ہم عصروں کے ناموں کے کڑے انتخاب کی فہرست میں شامل ہو۔ جمال احسانی بھی اپنے منتخب ہم عصر شعراء کے دوش بدوش چلتا دکھائی دیتا ہے۔'' [۵۰]

ہجر اُردو غزل کا محبوب ترین موضوع ہے۔ ہر دور کے شعراء نے ان کیفیات کو شعری پیرائے میں بیان کیا اور اسی قدیم جذباتی رنگ کو اپنی محسوسات کے ساتھ نئے طرزِ احساس کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سفر عشق میں ہجر و فراق ایک کرب انگیز واقعہ ہے اور غزل کے شعراء جہاں وصال کی شاد کامیوں کو اپنے وسیع متنوع و حسین خیالات کے زور پر خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں وہیں جدائی کی تشریح و تعبیر میں بھی ان کا زور تخیل خوب کام کرتا ہے۔ ناصر کاظمی نے ہجر اور اس سے متصل مختلف احوال کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے:

Scanned with CamScanner

اے دوست ہم نے ترکِ محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی ۵۱

☆

کون اس راہ سے گزرتا ہے
دل یوں انتظار کرتا ہے ۵۲

☆

بس یوں ہی دل کو توقع سی ہے تجھے ورنہ
جانتا ہوں کہ مقدر ہے میرا تنہائی ۵۳

مذکورہ اشعار میں تین مختلف کیفیتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلے شعر میں محبوب کی رفاقت سے محرومی اور محبت سے دامن کشی کے باوجود محبوب کی ضرورت کے احساس کا ذکر ہے۔ دوسرے شعر میں فراق یار کے رنج وغم کی شدت یوں بیان کی ہے کہ محبوب کا جانا تو خیر مقدر ہی تھا مگر اس کے جانے کے ساتھ ایسا لگتا ہے میری جان نکلی جاتی ہے۔ تیسرے شعر میں یاس اور ناامیدی کی کیفیت کے ساتھ ایک امید موہوم کا اظہار ہے کہ محبوب کی دوری و مہجوری اور تنہائی گو کہ ایک حقیقت ہے مگر دل پھر بھی منتظر ہے کہ شاید وہ لوٹ آئے۔ اسی طرح جمال احسانی کے اشعار میں بھی ہجر کی مختلف کیفیات کو اپنے منفرد انداز سے بیان کیا گیا ہے:

یہ ہجر کون جانے یہ بات کون سمجھے
میں اپنے گھر میں خوش ہوں وہ اپنے گھر میں خوش ہے ۵۴

☆

ترے وصل کی آس بدلتے ہوئے تیرے ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے
کب دل مصروف نہیں رہتا کب جاں مشغول نہیں ہوتی ۵۵

☆

مجھ جیسا تو کسی کا نہیں حال ہجر میں
تو اس نظر کے وعدہ و پیمان سب سے تھے ۵۶

☆

Scanned with CamScanner

میں نے وہ ہجر بھی گزارہ ہے
جب ترا قرب بھی نہایت تھا ۵۷؎

عشق و محبت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور عاشق کو حالت عشق میں ان تمام احوال سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہجر و وصال، خوشی و غمی اور سوز و گداز کے عناصر کا محبت میں بڑا عمل دخل ہے۔ جمال احسانی دکھے ہوئے دل کے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں ہجر و وصال بدرجہ اَتم موجود ہے۔ کبھی عاشق اپنے محبوب کے ہجر میں جلتا ہے تو کبھی اس کے وصال کے مزے لیتا ہے۔ وہ وصال میں بھی ہجر کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ وہ عشق کی اُس منزل پر جہاں من وتو کا فرق مٹ جائے۔ شاعر کا دل جب احساسِ محرومی سے گزرتا ہے تو وہ اپنے اندر کی کیفیت کو اشعار میں بیان کر دیتا ہے۔ وہ محبوب کے ساتھ اپنے تعلق اور پھر لمحاتی فاصلوں کو اپنی غزلیہ شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ ہجر و وصال میں دوریاں فاصلے، ملن بنیادی عناصر تصور کئے جاتے ہیں۔ جمال احسانی نے بھی انہی چہروں کو ایک نئے لب ولہجہ میں بیان کیا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں منیر نیازی صاحب لکھتے ہیں:

> ''جمال احسانی کی خوبصورت شاعری کی تعریف میں قریباً بیس بائیس سال پہلے کر چکا ہوں۔ اس شاعر نے مجھے آج تک مایوس نہیں کیا۔ اس پر شاعری کی دیوی مہربان رہتی ہے۔ یہ اپنے بہت سے نامی گرامی اور مہمیز شعراء سے زیادہ شاعر ہے۔ ایک بار جمال کو ملازمت میں انٹرویو کے لئے سرٹیفکیٹ کی ضرورت تھی۔ اس نے میری رائے کو اہمیت دی اور اسے نوکری مل گئی۔ یہ اہم فیصلہ وہی کر سکتا ہے جسے اپنے آپ پر اور اپنی شاعری بے انتہا اعتماد ہو۔ میں جمال کے اس شاعرانہ اعتماد کو تسلیم کرتا ہوں۔'' ۵۸؎

شاعری کا تعلق شعور سے ہے لیکن جہاں صرف پیش نظر حقائق کو بیان کیا جاتا ہے۔ وہاں شاعری وحی الہام کی بجائے حالات و واقعات کی گواہی بن جاتی ہے۔ اگر حالات و واقعات کو اپنے ذہن کی کھٹالی میں رکھ کر ڈھالا جائے اور جذبے کی آنچ سے ان میں حرارت بھر دی جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ مواد مصرعوں کی صورت میں خود بخود صفحہ قرطاس پر منتقل ہونے لگتا ہے۔ کسی مخصوص واقعے اور سانحے سے جڑے نہ رہنے کے باوجود یہ اشعار زندگی کی روح سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ایسے اشعار میں محبت کا بیان سطحی نہیں ہوتا اور فکر کا عنصر خشک نہیں رہتا۔ اس رچاؤ اور ہم آہنگی سے شعر میں مقناطیسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جمال احسانی کے اشعار میں یہ صفت موجود ہے۔ اپنا ذاتی مکان نہ ہونے، دوستوں کے ساتھ راتوں کو گھومنے پھرنے، بیک وقت کئی مہ رخوں کے لئے

Scanned with CamScanner

مصوری سیکھنے، گھریلو اور بیرونی رشتوں سے وابستگی اور مذہب و سیاست، اقتصادیات سے تعلق ایسے عوامل ہیں جنہوں نے آپس میں گھل مل کر شاعر کے لاشعور سے ظہور کیا ہے۔ جمال احسانی نے اگر ایک خاص واقعے کو بھی ذہن میں رکھ کر شعر کہنے کی کوشش کی ہے تو تجربات و مشاہدات کے پھیلاؤ نے ان کو بھی تہہ دار بنا دیا ہے۔ اس لئے بظاہر ایک مخصوص حالت و کیفیت کے ترجمان ہوتے ہوئے بھی ان کا مدار وسیع ہے۔ جمال احسانی نے زندگی گزارنے کا کوئی باضابطہ اصول نہ بنایا اسی وجہ سے وہ تمام عمر بے گھر رہے اور تمام زندگی کرائے کے مکانات میں گزار دی۔ کراچی کا شاید ہی کوئی ایسا محلّہ بچا ہو جہاں ان کی گزران نہیں ہوئی۔ پورے کراچی میں فیڈرل کیپٹل ایریا سے ڈیفنس کے علاقے تک وہ مختلف مکانات میں قیام پذیر رہے۔ کراچی کی جن مشہور بستیوں میں جہاں انہوں نے تھوڑے عرصہ قیام کیا ان میں کورنگی، سوکوارٹر، فیڈرل کیپٹل ایریا، ناگن چورنگی، نارتھ کراچی، دستگیر کالونی، گلشن اقبال، ابوالاصفہانی روڈ، کلفٹن، نیپا چورنگی، گلستانِ جوہر کے نام قابل ذکر ہیں۔ تلاشِ معاش کے سلسلے میں مختلف شہروں جن میں شہداد پور، میر پور خاص، لاڑکانہ اور عمان (U.A.E) میں بھی رہے اس لئے نقل مکانی و بے گھری کا ذکر ان کی غزلوں میں کثرت سے ملتا ہے۔

ایک قدم خشکی پر ہے اور دوسرا پانی میں
ساری عمر بسر کر دی ہے نقل مکانی میں ۵۹

☆

بوجھ سے جھکنے لگی شاخ تو جا کر ہم نے
آشیانے کو کسی اور شجر پر رکھا ۶۰

☆

برائے رونق بام و دریچہ
گھروں سے دور بھی رہنا پڑتا ہے ۶۱

☆

ذرا سی بات پہ دل کو بگاڑ آیا ہوں
بنا بنایا ہوا گھر اُجاڑ آیا ہوں ۶۲

☆

Scanned with CamScanner

دل کی طرف دماغ سے وہ آنے والا ہے
یہ بھی مکان ہاتھ سے اب جانے والا ہے ۶۳

جمال احسانی کے اشعار میں نقل مکانی بے بسی اور بے گھری کا ذکر کثرت ملتا ہے۔ ان کے گھر والے اس دربدری سے بہت پریشان تھے۔ گھر والوں سے ان کی پریشانی دیکھی نہ گئی تو انہوں نے ابوالاصفہانی روڈ پر ایک فلیٹ خرید کر دیا۔ جمال احسانی نے چند دن قیام کے بعد یہ بھی بیچ ڈالا کیونکہ ''رازدار'' رسالے میں کام کرنے کے بعد ان کے مالی حالات بہتر ہو گئے تو انہوں نے کلفٹن کے علاقے میں کرائے کے گھر میں رہائش اختیار کی۔ جمال احسانی اور اس کے خاندان نے ایک عمر خانہ بدوشی کی گزاری۔ اس خانہ بدوشی کا دکھ انہیں شدت سے تھا۔ اس خانہ بدوشی کی کسک ان کے اشعار میں شدت سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ ''تارے کو مہتاب کیا'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''زندگی ایک خانہ بدوش کی مکمل تصویر بن کر رہ گئی۔ آج اِدھر تو کل اُدھر، آج یہاں تو کل وہاں، آج ڈپازٹ دینا ہے کل ایڈوانس اور ماہانہ کرایہ زندگی اس خانہ بدوش کی مثال بن کر رہ گئی ہے جو سامان سر پر اٹھائے پھرتا ہے۔ خانہ بدوش اور مجھ میں بس یہ فرق ہے کہ اس پر مہینے کی پہلی تاریخ نہیں آتی جبکہ مجھے ہر مہینے یہ انتظام بھی کرنا پڑتا ہے۔'' ۶۴

یہ خانہ بدوشی کا ایسا اقدام تھا جس نے سب کچھ تلٹ کر دیا۔ نہ آفس میں گھر رہ سکا نہ گھر میں آفس۔ ان کی زندگی خانہ بدوشی کی مکمل تصویر بن کر رہ گئی تھی۔ زندگی کی ایسی بے شمار حقیقتوں کا سامنا کرنے کے باوجود وہ زندگی بھر کوئی باضابطہ اصول نہ بنا سکے اور تمام عمر بے گھر رہے۔ جمال احسانی غیر مستقل مزاج تھے۔ ایک جگہ رہنے اور مستقل بیٹھنے سے انہیں چڑ تھی۔ اسی بابت جمال احسانی کے دوست صابر وسیم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں ''اس کے بدن میں پارہ بھرا ہوا تھا وہ کسی ایک جگہ جم کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔'' ۶۵

اس لئے ساری عمر کوئی مستقل ٹھکانہ بھی نہ بنا سکے اور روزگار کا بھی کوئی مستحکم ذریعہ نہیں تھا۔ وہ ٹک کر مشاعرہ گاہ میں بھی نہیں بیٹھتے تھے۔ ان کی سیمابی طبیعت اور بہت جلد اُکتا جانے والی فطرت سے سب دوست آگاہ تھے اس لئے دوست انہیں زیادہ دیر کسی مشقت پر نہیں لگاتے تھے۔

جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں حسنین جعفری لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں شاعری کے لئے وکیل ڈھونڈنے سے زیادہ اہم بات اپنی شاعری

Scanned with CamScanner

کے حقیقی گواہ پیدا کرنا ہیں جو جمال احسانی نے ''ستارہ سفر'' سے ''رات کے جاگے ہوئے'' تک کے شعری سفر میں ضرور پیدا کر لئے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری میں ان کی اپنی ایک فضاء ہے اور اپنا ایک رنگ ہے۔ میری خواہش ہے کہ اپنے وجود میں وہ اپنی شاعری کی جس موج ہوائے رنگ میں آپ نہا رہے ہیں وہ بہار کی طرح عام بھی ہو جائے۔'' ۶۶

کسی بھی مہذب معاشرے میں اخلاقی اقدار خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان قدروں کے بغیر مثالی معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔ خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اسے سوچ اور فکر دے کر تمام مخلوقات سے افضل بنا دیا ہے مگر انسان خود پرستی لالچ اور حرص و ہوس کے باعث اتنا گر گیا ہے کہ انسانیت کے تقاضے بھول گیا ہے اور انسانیت کے لبادے میں حیوانیت کا روپ دھار چکا ہے۔ معاشرے میں منافقت، جھوٹ، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ خدا نے انسان کو ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹنے کے لئے پیدا کیا ہے مگر خود پرستی سے آدمی اس قدر اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے کہ وہ ظلم و ستم، خونریزی، تنگ نظری اور تعصب پر اتر آیا ہے۔ آدمی ہی آدمی کا دشمن ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں اخلاقی اقدار پر زور دیا گیا ہے۔

میرا بھی نام ہے فہرست مجرماں میں لکھا
میں دیکھتا رہا خالی خزانہ ہوتے ہوئے ۶۷

☆

مجھے اچھا نہیں لگتا زباں کو بند کر لینا
مگر بچوں کے ہاتھ میں نوالہ اچھا لگتا ہے ۶۸

☆

اچھا ہوا کہ زندہ نہیں ہیں مرے بزرگ
حاکم بنا ہوا ہے جو کارندہ تھا مرا ۶۹

ملکی منظرنامے پر نظر دوڑائیں تو حکمران چورلٹیرے نظر آتے ہیں، بادشاہ خزانہ خالی کرتا ہے تو خاموش تماشائی اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ خاموش تماشائی زبان کو بند رکھنا نہیں چاہتے لیکن انہیں بچوں کے منہ سے نوالہ چھینتے ہوئے ڈر لگتا ہے یہاں حق و صداقت کی آواز بلند کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ وہ اس بات پر خدا کا شکر بھی ادا کرتے ہیں کہ آج ان کے بزرگ زندہ نہیں ورنہ غلام کو بادشاہ بنا ہوا دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکتے۔ ملک چونکہ ان کا گھر ہے اس لئے یہ تمام مسائل شاعر کے اپنے ہیں۔ وہ انہیں لفظوں کی زبان دیتے چلے جاتے ہیں۔ جمال احسانی نے معاشرے کے مسائل پر قلم اُٹھایا ہے۔ انسان، انسانی اقدار بھول گیا ہے۔ انہوں نے شاعری کے ذریعے ان معاشرتی رویوں کی نشاندہی کی ہے جو اس وقت ہمارے معاشرے کے مجموعی مسائل ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں امجد اسلام امجد اپنے کالم ''چشم تماشا'' میں لکھتے ہیں:

> ''اُردو غزل کی روایت اتنی زندہ اور توانا ہے کہ اس میں کسی نئی آواز کو اپنے قدم جمانے اور اپنے ہونے کا احساس دلانے کے لئے برسوں لگ جاتے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں بہت سے نئے نام ابھرے لیکن لشکارا مار کر گم ہو گئے۔ جمال احسانی ان تابندہ ستاروں کے اُس مختصر گروہ سے ہے جو انگریزی محاورے کے مطابق ''رہنے'' کے لئے آتے ہیں۔ اس کی غزل میں کلاسیکی روایت کا وہ فیضان ہے جس کے رشتے مستقبل سے پیوست ہیں اور یوں وہ ہماری نسل کا نمائندہ شاعر ہے۔'' ۷۰

جمال احسانی کی غزل ظلم و استحصال کے خلاف احتجاج اور حق بیانی کا استعارہ بھی ہے۔ جب شاعر اردگرد کے منظرنامے میں ظلم و ستم اور ناانصافی دیکھتا ہے تو وہ ظلم و استحصال پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ جمال احسانی کی غزل میں ان کا مزاحمتی رویہ عروج پر نظر آتا ہے۔ اُردو شاعری میں ظلم و استحصال پر صدائے احتجاج بلند کرنا ترقی پسند شاعروں کا طرۂ امتیاز ہے تاہم جمال احسانی نے روایتی ترقی پسندوں کی طرح صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے اپنی غزلیہ شاعری کو ایک نعرہ نہیں بننے دیا وہ جب ظلم کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں تو ان کا رویہ ایک حق پرست اور راست گو شاعر کے طور پر سامنے آتا ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتی ہے کہ ان کے باغیانہ لہجے سے غزل کا صحیح مزاج بھی متاثر نہیں ہونے پاتا۔ انہوں نے سماجی انصاف معاشرتی لوٹ کھسوٹ اور شخصی آزادی مہنگائی جیسے موضوعات کو بھی اپنی شاعری میں پیش کیا۔ وہ حکمران طبقے کی عوام دشمن پالیسیوں پر بھی بلاخوف وخطر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

اتنی مہنگائی تھی بستی میں کہ ہر شخص
اپنے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اے

☆

Scanned with CamScanner

ایک آدمی کی رہائی سے بھی تو ہو جاتا
جو شہر بھر کی گرفتاریوں کے بعد ہوا ۷۲ے

☆

گر امتحان جنوں میں نہ کرتے قیس کی نقل
جمال سب سے ضروری سوال رہ جاتا ۷۳ے

مجنوں کے قصے سنانا شاعر جب غم دوراں کی گلیوں میں آ نکلتا ہے تو اسے اپنے آس پاس پھیلے، دکھوں اور ان کے اسباب پر غور و فکر کر کے وہ جھنجھلا جاتا ہے۔ وہ جب مہنگائی کی ستائی ہوئی عوام کو دیکھتا تو اس کا کرب بڑھ جاتا ہے۔ ہمارے ملک کا المیہ رہا ہے یہاں ہر حکومت میں امیر، امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے اور غریب، غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسے یہ بات پریشان کرتی ہے کہ جب ایک آدمی کی رہائی سے شہر کا سکون بحال ہو سکتا ہے تو پورے شہر کو گرفتار کرنا کون سی سیاسی حکمت عملی ہے؟ شاعر کو سیاست کی یہ چالیں سمجھ نہیں آتی کہ دوسروں کی خوش بختی کا سبب بننے والے عوام خود کیوں محرومیوں کا شکار ہیں؟ ملکی سیاست میں جو اندھیرے ہیں ان کا سبب ہوسِ اقتدار ہے لیکن علم کی راہوں میں جو چور دروازے دکھائی دے رہے ہیں کیا ان کی وجہ ہماری سستی و کاہلی نہیں؟ امتحانوں میں نقل کی روش اپنا کر آگے آنے کا رجحان زور پکڑتا جا رہا ہے۔ یہ وہ مسائل ہے جن کو جمال احسانی نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں احمد نوید لکھتے ہیں:

> ''میرے نزدیک ایک شاعر کے لئے مسئلہ یہ نہیں کہ اسے کیا لکھنا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اسے کیا نہیں لکھنا اور اسے کیا نہ لکھے کہ جبر و صبر سے گزر کر ہی وہ اسلوب، وہ رنگ و آہنگ اور وہ ڈھب آتا ہے جو شاعر کے رجحان اور اکائی کی علامت ہوتا ہے۔ جمال احسانی کے دوسرے شعری مجموعے ''رات کے جاگے ہوئے'' کی غزلوں کے درمیان جڑاؤ کی جو صورت نظر آتی ہے وہ اسی تخلیقی انتخابی عمل سے پیدا ہوتی ہے اور اس عمل سے ظہور کرنے والا شعری تجربہ انہیں نئی نسل کے شعری تجربوں میں شریک کرتا ہے۔'' ۷۴ے

جمال احسانی کے کلام کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ ایک جمال پرست شاعر ہیں۔ جمال احسانی کا احساسِ جمال ان کی غزلوں میں بکھرا ہوا ہے۔ خدا خود حسین ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ خدا لامحدود

Scanned with CamScanner

تخلیقی قوت کا مالک ہے۔ تخلیق کا یہ جوہر انسان کو بھی اس نے بخشا مگر بخشش سے پہلے اس کی حدود مقرر کر دی۔ جمال پسندی کی خدائی صفت سے بھی ایک حصہ ہر انسان کو ملا ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ جمال احسانی کا کلام جمال پرستی کا مظہر ہے۔ عورت حسن کا بہترین مرقع ہے۔ جمال احسانی اپنے محبوب کی تعریف بڑے منفرد انداز میں کرتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ کیجئے:

کچھ اور پرکشش و دل نشیں وہ لگتا ہے
جمالؔ مل کے تو دیکھ قریب شام اُس سے ۵ے

☆

نہ وہ حسین نہ میں خوبرو مگر اِک ساتھ
ہمیں جو دیکھ لے وہ دیکھتا ہی رہ جائے ۶ے

☆

میرے لہو سے حُسن کی آرائش اُس نے کی
اور اُس کے بعد کوئی اجازت نہ دی مجھے ۷ے

جمال احسانی کی شاعری کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وصال کے لمحے بہت کم گزارے لیکن جو گزارے ہیں وہ اس کے لئے حاصل حیات بھی ہیں، سرچشمہ تخلیق بھی۔ یہ اشعار سرمستی اور سرخوشی کا عجیب والہانہ پن رکھتے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ان کے قریبی دوست ریاض احمد شاد لکھتے ہیں:

''اس کی شاعری میں کھلے مناظر سے محبت اور تنگ ماحول سے نفرت بڑے بلیغ استعاروں کے طر پر ابھری ہے۔ اس میں شاعر کی ذاتی واردات سے لے کر ہماری سماجی اور سیاسی زندگی کے سارے رویئے سمٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سارے موضوعات ہماری روایتی شاعری کا حصہ ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ جمال احسانی کے ہاں یہ پہلو کسی روایت کا حصہ بن کر نہیں بلکہ شاعر کی ذات کا حصہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ ہر اچھی شاعری کی طرح اس کے ہاں مثالی تصورات بھی ملتے ہیں لیکن وہ صرف خواب نہیں دیکھتا ٹھوس حقیقتوں کو بھی کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔'' ۸ے

ہماری روزمرہ زندگی کے وہ تکلیف دہ پہلو جو آج کل کے تخلیق کار کا مقدر ہیں جمال احسانی کی شاعری میں پورے کرب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کے کلام کو پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ''جاگتی راتوں'' کا شاعر ہے جس طرح ابن انشاء ''چاندنگر'' کا شاعر ہے۔ ''ہجرت'' کے شاعر ناصر کاظمی، پروین شاکر ''خوشبو'' کی شاعرہ ہے اسی طرح جمال احسانی ''جاگتی راتوں'' کا شاعر ہے۔

بیشتر شعراء کی سوانح حیات پڑھیں تو رَت جگوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں لیکن جمال احسانی ایسے شاعر ہیں جس کی شاعری میں رات جاگتی ہے۔ جمال احسانی کے ہر دوسرے شعر میں رات متنوع رنگوں کا اظہار کرتی ہے۔ جمال احسانی کی کتب پر روشنی ڈالیں جن میں ''ستارہ سفر''، ''رات کے جاگے ہوئے''، ''تارے کو مہتاب کیا'' سے رات کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں رات، چراغ، ستارہ، مہتاب، ایسے استعارے ہیں جو بار بار استعمال ہوتے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری میں رات کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ رات اپنے اثرات کی جتنی کیفیتوں سے متاثر کر سکتی ہے اس کی غزلوں میں موجود ہیں۔ ایک جاگنے والا حساس شاعر رات آتے ہی اپنے داخلی اور خارجی دونوں وجود کے ساتھ ایسے سفر پر نکلتا ہے جو اسے خواب بھی دکھاتے ہیں اور دشت نوردی کی تھکن سے بھی دوچار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے سفر میں لاحاصلی ہی مقدر بنتی ہے۔ رات کس طرح ایک حساس شاعر کو متاثر کرتی جمال احسانی کے اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آنگن آنگن شمع خیال یار جلے
رات آئی اور لوگ ستارہ وار جلے [۷۹]

☆

آنکھوں آنکھوں ہریالی کے خواب دکھائی دینے لگے
ہم ایسے کئی جاگنے والے نیند ہوئے صحراؤں کی [۸۰]

☆

وصل کی رات ستاروں نے بڑی حسرت سے
گاہ دیکھا تھا مجھے گاہ اسے دیکھا تھا [۸۱]

☆

رات نے اپنی گواہی کے لئے
اِک ستارے کو بچا رکھا ہے [۸۲]

Scanned with CamScanner

''رات کے جاگے ہوئے'' میں جمال احسانی کی نظر تاروں کو تکتے تکتے مہتاب کرتی ہے تو کبھی کسی چراغ کی جلتی لو میں اسے ستارہ سفر کرتے دکھائی دیتا ہے۔ یہ عام فہم اور دل میں اتر جانے والی شاعری جمال کی پہچان ہے۔ سادہ مگر پُراثر یہ ہے وہ شاعری جس سے اُردو شاعری کے زندہ رہنے کے امکانات ختم نہیں ہوتے۔ جمال احسانی اتنی خوبصورتی سے شعر بُنتے ہیں کہ قاری کا ذہن پر مسلسل اثرانداز ہوتا رہتا ہے۔ جمال احسانی کے ذاتی محسوسات ہوں یا تجرباتِ زندگی سے شکوہ ہو یا کوئی محرومی سب اس طریقے سے اپنی شاعری میں سمو لیتے ہیں کہ قاری ان کے طلسم سے نہیں نکل پاتا۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں اُردو ادب کے نامور شاعر نقاد ساقی فاروقی اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''جمال احسانی عہد حاضر کے نمائندہ غزل گو شاعر ہیں۔ انہیں جذبات نگاری میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ ان کے اشعار روح و دل کی گہرائیوں میں اتر کر قاری کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں کہ ان کے سحر سے نکلنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ ۲۵ اور ۴۰ سال کے درمیان کے لکھنے والوں نے کراچی، لاہور، سرگودھا، بمبئی اور احمد آباد کی ادبی فضاؤں میں جو تازگی اور پرکاری کی رنگارنگ دھنک تانی ہے جمال احسانی کی شاعری اس دھنک کا ایک رنگ ہے۔ دس سال پہلے میں ان کا ایک مصرعہ شہروں شہروں لئے پھرا کرتا تھا۔ ''ایک جگہ تو گھوم کے رہ گئی ایڑھی سیدھے پاؤں کی۔'' یہ کوئی عظیم مصرعہ نہیں مگر انوکھا اور اچھوتا ہے۔ اس میں عصر بھی ہے اور عصر سے آگے جانے کا امکان بھی۔ اس زبان کے سفر کی کہانی بھی ہے یعنی کہ اس قسم کا مصرعہ دیا شنکر نسیم اور قائم چاند پوری نہیں لکھ سکے۔ تب سے اسے جمال احسانی نے عظیم شاعری تو پیدا نہیں کی مگر تازگی احساس ندرت زبان کا سفر جاری رکھا ہے اور مجھ جیسے لوگوں کو مایوس نہیں کیا ہے۔'' ۸۳

جمال احسانی کی شاعری لوگوں کے اجتماعی شعور اور ان کے مسائل کو تخلیقی سطح پر پیش کرتی ہے۔ شاعر چونکہ خود اس معاشرے کا حساس فرد ہے لہٰذا اس کے احساسات کی دُنیا میں لوگوں کی محرومیوں اور نارسائیوں کے رنگ ہمہ وقت جھلملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ان محرومیوں اور نارسائیوں کو اس لئے کچھ زیادہ محسوس کرتا ہے کہ وہ انہی انسانوں میں سے ہے جو اس گھٹن کی فضاء میں سانس لے رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بنی جو صلح کا باعث کسی دن
اسی دیوار کا جھگڑا پڑے گا ۸۴

☆

دیواروں کا شوق جہاں تھا سب کو جمالؔ
عمر مری اس خاندان میں گزری ہے ۸۵

جمال احسانی کی شاعری میں بند بند سی فضاؤں، گھٹے گھٹے ماحول اور گھیرتی ہوئی دیواروں سے وحشت ہوتی۔ ان کے متعدد اشعار میں نفرت کی دیواروں سے بیزاری کا اظہار ملتا ہے۔ انسانی نفسیات بھی عجیب ہے وقت کے ساتھ اس کے محرکات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔کبھی علیحدگی انسان کے مسائل کا حل ہوتی ہے اور ایک آنگن کے بیچ دیوار اُٹھانے سے معاملہ سلجھ جاتا ہے۔کبھی یہی دیوار نئے اختلافات کوجنم دیتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری ہمارے معاشرے کے مجموعی مسائل کو بیان کرتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ان کے ہم عصر شاعر سعد اللہ شاہ اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''جمال احسانی سراپا شاعر ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنے ہم عصروں میں سے امتیازی مقام حاصل کیا بلکہ اپنے سینئرز اور جونیئرز کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا۔ ان کے شعری مجموعوں ''ستارہ سفر'' اور ''رات کے جاگے'' کی پذیرائی جو اہل ادب کے ہاں ہوئی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ان کا نیا شعری مجموعہ ''تارے کو مہتاب کیا'' یقیناً ان کا اگلا پڑاؤ ہے اور ان کے قاری ایک دفعہ پھر ان کو پڑھنے کے لئے بیتاب ہیں۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں بھی ان کے مداحوں میں سے ایک ہوں۔'' ۸۶

جمال احسانی کی غزل میں عشق رسولؐ سے لبریز اشعار بھی ملتے ہیں۔حضورؐ کی مدح کرنا ہر عاشق رسول کی تمنا ہے تاہم اس کے لئے حب رسولؐ کے جذبے اور عقیدت مندی کے وصف سے مالامال ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں شاکر کنڈان لکھتے ہیں ''اسوہ رسولؐ، تعلیم حب رسولؐ اور اتباعِ رسولؐ اہل ذوق، اہل محبت اور اہل عشق کے ہاں ہمیشہ سے رہے ہیں اور رہیں گے اور جب تک یہ احساسات اور جذبات زندہ ہیں نعت نبیؐ عشاق کا موضوع رہے گا۔'' ۸۷

نعت گوئی کے لئے شعور و آگہی اور عقیدت آفرینی کے ساتھ نبی کریمؐ کی ذات گرامی سے بے پناہ عقیدت کا چراغ روشن ہونا بھی اہم محرک ہے۔

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کی غزل کے پیکر میں لکھی ہوئی نعت کو دیکھا جائے تو اس میں عشق رسولؐ بھی نظر آئے گا اور علم بھی۔ جمال احسانی نے عشق رسولؐ میں ڈوب کر نعت لکھی ہے۔ جمال احسانی کی غزل کے پیکر میں لکھی گئی نعت میں جذبوں کی گہرائی بھی ہے اور فن کی پختگی بھی۔ جمال احسانی کی نعت ان کی سرکارِ دو عالمؐ سے عقیدتوں کی مظہر ہے۔

ویسے تو ہر زمانے کو حاجت ہے آپؐ کی
پر ان دنوں زیادہ ضرورت ہے آپؐ کی
کیسے مڑے گا بادِ تعصب کا رُخ حضور
آندھی کی زد پہ شمع اخوت ہے آپؐ کی
ان کو نسب کا پاس نہ ان کو شرفِ دھیان
یہ آل آپؐ کی ہے یہ امت ہے آپؐ کی
ہے آپؐ ہی کی ذات پس ہر نظام دہر
کوئی بھی سلطنت ہو حکومت ہے آپؐ کی
افسوس اس کے ہاتھ میں کشکول اب بھی ہے
جس قوم کو نصیب حمایت ہے آپؐ کی
کوئی مکین آپؐ سے مخلص نہیں یہاں
اس گھر پر بھی چشم عنایت ہے آپؐ کی
اپنی طرف سے چھوڑی نہیں ہم نے کچھ کسر
یہ ملک چل رہا ہے تو رحمت ہے آپؐ کی ۸۸

جمال احسانی کی نعتیہ غزل عقیدتوں اور محبتوں کی داستان ہے۔ شاعر نے عاجزی کے ساتھ اپنی فریاد پیش کی ہے۔ جمال احسانی کی نعتیہ غزل حرفوں اور لفظوں کے آبدار موتیوں سے مزین ہے جس کی چمک اور روشنی سے اہل ایمان کے دل روشن ہو جاتے ہیں۔ ان کی نعتیہ غزل ایک روح پرور کاوش ہے جس کی خوشبو کو بہ کو پھیلے گی اور ان کی نجات کا ذریعہ بنے گی۔ انہوں نے یہ عقیدت بھری نعت لکھ کر حضورؐ کے عشاق میں اپنا نام شامل کر لیا ہے۔ ان کے درج بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ جمال احسانی کے پاس عشق رسولؐ کے اظہار کے لئے بہترین شعری

Scanned with CamScanner

قرینہ موجود ہیں۔

جمال احسانی کی ایک اور غزل میں نعتیہ اشعار موجود ہیں جس سے ان کی آپؐ سے بے پناہ محبت ظاہر ہوتی ہے۔

میرا قصیدہ اسی مہرباں کے واسطے ہے
جو ایک اسم ہے اور دو جہاں کے واسطے ہے
وہ کائنات کی تکمیل ہیں اور ان کے سوا
کچھ اور ہے تو وہ حسن بیاں کے واسطے ہے
میں راہِ عشق محمدؐ میں کھونا چاہتا ہوں
مرا سفر مرے نام و نشاں کے واسطے ہے ۸۹

ڈاکٹر اجمل نیازی نے غزل میں حمد و نعت کا لہجہ سمونے والے دوسرے شاعروں کے ساتھ ساتھ جمال احسانی کا بھی نام لیا ہے۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اسی لہر میں غزل کا دامن بے حد وسعت پکڑتا ہے اور غزل کی سرحدیں حمد و نعت تک پھیلتی ہیں۔ محبوبِ حقیقی اور محبوبِ خدا میں امتیاز کم سے کم ہوتا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ثروت حسین، اظہار الحق جمال احسانی، علی اکبر، عباس جلیلی اور دوسرے بہت سے شعراء کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔'' ۹۰

جب سے انسان کا وجود اس روئے زمین پر ہے اس نے مختلف مواقع پر بہت سی قدرتی آفات کا سامنا کیا ہے گویا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان اور قدرتی آفات کا تعلق بہت پرانا ہے۔ جب انسان اس دُنیا میں آیا اور اپنے ماحول سے آشنا ہوا تو اس نے اپنے اطراف میں ہونے والی تبدیلیوں کا تجزیہ کیا تو قدرتی آفات کے باعث رونما ہونی والی تبدیلیوں نے اسے حیرت و تجسس کے دریا میں غوطہ زن ہونے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح ہر بڑا ادیب اور شاعر جو انسانیت کا محافظ ہوتا ہے وہ بھی اپنے کلام کے ذریعہ لوگوں کو ان قدرتی آفات سے واقف کراتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے دُنیا کے ہر ادب میں آفات کی حقیقی ترجمانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اگر ہم اُردو غزل کی روایت کو دیکھیں تو اس کے دامن میں بہت سے ایسے اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں واضح طور پر ان آفات کا ذکر ملتا ہے۔ اُردو غزل میں منفرد انداز میں قدرتی آفات دیکھنے کو ملتی ہے

Scanned with CamScanner

کیونکہ یہ وہ موضوع ہے جس سے انسان کی زندگی ہر صدی میں متاثر ہوتی رہی ہے۔ جمال احسانی ان کیفیات کو یوں بیان کرتے ہیں:

سیلاب سے شہر اُجڑ رہا تھا
سارا نقشہ بگڑ رہا تھا
آندھی تھی کہ تھم نہیں رہی تھی
اِک بوڑھا درخت اکھڑ رہا تھا [۹۱]

انسان کی اپنی پیدا کردہ مشکلات سے بڑھ کر فطرت کے خلاف زور آزمائی کبھی کبھی اسے حد درجے پریشان کر دیتی ہے۔ آفات و بلیات کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ ان ناگہانی آفات سے نمٹنے کے لئے انسان نے ہزار انتظام کئے مگر جب ساری کوششیں بیکار جاتی ہیں تو آدمی اپنی بے بسی پر رونے اور دعائیں کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ آندھی اور سیلاب کتنے درختوں اور آبادیوں کے اجاڑنے کا سبب بنتے ہیں کہ سطح زمین سے ان کا نام و نشان ہی مٹ جاتا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ان کے سب سے قریبی دوست جن کے ساتھ ان کی کئی شامیں گزری ہیں جناب جون ایلیا اس طرح رقمطراز ہیں:

''شاعری جمال کی صفت نہیں بلکہ وہ اس کی ذات کا مسئلہ ہے۔ وہ اس لئے شاعری نہیں کر رہا کہ غالب بھی شاعری کرتے تھے اور یہ کہ شاعری فنون لطیفہ میں سب سے ارجمند اور پُر مایہ فن ہے۔ بنیادی طور پر جمال کا ذریعہ اظہارِ غزل ہے اس لئے وہ لمحہ لمحہ کلیت اور وحدت کی تلاش میں رہتا ہے۔ مجھے ایک خاص بات کا تجربہ ہوا جو قابل ذکر ہے۔ یہاں پہلے میں یہ کہہ دوں کہ اب سے سالہا سال پہلے تک جمال کو ایسا شاعر سمجھتا تھا جو شاعری کو بظاہر خود غائیت سمجھتا ہے اور سماعت سیاست اور تاریخ کے حساس مسائل سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔ اُردو میں شاعروں کا مؤثر گروہ ایسا گزرا ہے جس نے شاعری میں انسانی مسائل کو موزوں بنانا ہمیشہ ایک غیر شاعرانہ عمل سمجھا۔ مجھے جمال احسانی بھی اپنے ایک خاص شاعرانہ عمل میں اسی گروہ کا فرد معلوم ہوتا تھا لیکن جب میں نے جمال کے کلام کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ تک پہنچا کہ جمال ان ''نامور'' شاعروں سے کہیں زیادہ سیاسی شعور رکھتا ہے جو عظیم الشان کہلاتے ہیں۔ ہر لمحہ سیاسی شعور کی اصطلاح کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ جمال زبان و بیان کے معاملے

Scanned with CamScanner

میں بہت محتاط ہے۔ یہاں بھی ایک بات کہتا چلوں کہ ہمارے شاعروں کے ماحول میں زبان و بیان کے معاملے میں بہت محتاط ہے۔ یہاں بھی ایک بات کہتا چلوں کہ ہمارے شاعروں کے ماحول میں زبان و بیان اور صحیح و غلط کی بات کرنا آؤٹ آف فیشن سمجھا جاتا ہے۔ جمال احسانی جمالیات کا قابل رشک شعور رکھتے ہیں اور اسے بڑی ہنرمندی کے ساتھ کام میں لاتے ہیں۔'' ۹۲

جمال احسانی نے اپنی شاعری میں اپنے ذاتی تجربات کو اس طرح ضم کیا کہ اس کی شاعری اس کی زندگی کی کہانی بن کر سامنے آتی ہے۔ وہ اپنی تیز روی اور تلون مزاجی کے ساتھ جن تجربات سے گزرے ان میں اپنوں سے جدائی کا غم اور معاش کے ہموار راستوں پر چلنے کی تھکن حاوی رہی۔ اپنے پیاروں کو وہ جو سکھ دینا چاہتا تھے اس کے لئے سمجھوتوں کی ضرورت تھی اور یہ سمجھوتے کسی حساس شاعر کے لئے بہت مشکل ہیں۔ وہ محرومیاں جو اس نے خود جھیلی تھیں اور وہ اضطراب جو اس کی ذات میں تھا ان کا کرب اس کے آخری مجموعہ میں پوری طرح محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وہ دوسروں کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھتے تھے۔ اس کا رنگ ان کی شاعری پر بھی چڑھا تاہم اپنی شاعری سے جو دھنک رنگ بکھیری اس کی پہلی کرن ہی ان کے تابناک شعری سفر کی پہچان بن گئی۔

چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا
یہ سانحہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا
یہ غم نہیں کہ ہم دونوں ایک نہ ہو سکے
یہ رنج ہے کہ کوئی درمیان میں بھی نہ تھا ۹۳

☆

کچھ باپ کا سایہ بھی بہت جلد اُٹھا تھا
کچھ گردشِ دوراں نے مہذب نہیں رکھا ۹۴

جدید معاشرے کے اجنبی رویوں کی خلش حساس شاعر کے لئے تکلیف دہ عمل ہے۔ سامنے والے میں مکان میں چراغ نہ ہونا بھی شاعر کے لئے تکلیف دہ عمل ہے۔ جو محرومیاں مسائل شاعر کی ذات کو لاحق ہے وہ سامنے والے کے مسائل بھی ہے لیکن یہ تمام لوگ اپنے مسائل کو بیان نہیں کرتے۔ وہ ان مسائل کے بوجھ تلے ہی اپنی زندگی بسر کئے جا رہے ہیں۔ کم عمری میں ہی والد کی وفات نے جمال احسانی کی شاعری اور شخصیت پر اداسی

Scanned with CamScanner

کے گہرے اثرات مرتب کئے۔ والد کی وفات کے بعد ان کا تمام خاندان سرگودھا سے ہجرت کر کے کراچی چلا گیا۔ والد کی وفات کے بعد گھر کی تمام ذمہ داری بڑے ہلال عثمانی پر آ پڑی جن کی قربانیوں کا ذکر جمال نے ان الفاظ میں کیا ہے ''بڑے بھائی گاڑی کھینچ کھینچ کر عمر میں ابا سے بڑے ہو گئے ہیں۔'' ۹۵

والد کی ناگہانی وفات سے ان کا پورا خاندان متاثر ہوا جس سے ان کی زندگی میں نئی مشکلات کا آغاز ہوا۔ اس کرب کو ان کے اشعار میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں قمر جمیل اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''جمال احسانی کا نام ہمارے عہد کی شاعری کا ایک اہم نام ہے۔ اُردو شاعری کی روایت سے آگہی کی ضمانت ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ منیر نیازی، زہرہ نگار اور جمال احسانی ہماری شاعری کے تابناک ستارے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری صرف جمال کا ذاتی اظہار نہیں بلکہ اس شاعری میں اس کا پورا وجود بولتا ہے۔ وہ وجود جو اس کی روح، اس کے معاشرے اور اس کے چلتے پھرتے ہنگاموں کے ساتھ ہے۔ اس کی انوکھی اور روایت سے باخبر شاعری تو بس ساقی فاروقی جیسا شاعر ہی کر سکتا ہے۔ ویسے آج کے عوام اور خواص تو اسے اپنا شاعر سمجھتے ہی ہیں۔'' ۹۶

جمال احسانی کا تیسرا مجموعہ ان کی پہلی برسی کے موقع پر چھپ کر سامنے آیا۔ انہوں نے بستر مرگ پر اس کتاب کا دیباچہ ''درونِ خانہ'' کے نام سے لکھا جو ۲۲ فروری ۱۹۹۸ء کو روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ بھی ''دوست پبلی کیشنز اسلام آباد'' نے شائع کیا اور اس کتاب کا انتساب انہوں نے اپنی بیوی محترمہ شہناز جمال کے نام کیا ہے۔

کوئی طوفان ہو رہتا ہے جمالؔ
ایک دریا کا کنارہ مرے ساتھ ۹۷

یہ دریا کا کنارہ خوش اخلاق اور ملنسار خاتون شہناز کی صورت میں جمال احسانی کو ملا۔ شہناز ایک صابرہ و شاکرہ اور سمجھ دار شریک زندگی ثابت ہوئیں۔ شہناز کو پہلے ہی دن شاعر کی بے ترتیب زندگی کو باضابطہ بنانے کا عزم کرنا پڑا۔ شہناز ان معمولات کو تو تبدیل نہ کر سکی البتہ وہ ان روز و شب کی عادی ہو گئی۔ جمال احسانی اپنے مضمون درونِ خانہ میں شہناز کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''اپنے بابل کی طرف پلٹ کر نہ دیکھنے والی شہناز مجھ میں اور میرے بچوں میں خرچ

Scanned with CamScanner

ہوتی رہتی ہیں۔ شہناز نہ ہوتیں تو میں بھی اپنے خاندان سے کوسوں دور ہوتا۔ وہ مجھے میرے لوگوں سے جوڑے رکھتی ہے۔ آنچ مجھ پر آئے، برا بھلا ان کو سننا پڑتا ہے۔ بیمار میں پڑوں میرے بھائی بہن ذمہ دار نہیں گردانتے ہیں۔ اپنے بھائی کی کرتوتوں سے اس کی بیوی کا دامن بھرنا ہمارے معاشرے کا کتنا سہل اور محبوب مشغلہ ہے۔ میرے حالات کا شکار ہونے والی شہناز اس چکی میں مسلسل پس رہی ہیں۔ میرے چاہنے والوں کو کیا غرض کہ ان کی یک طرفہ محبت کے باعث مجھے شہناز کے ساتھ ایک ندامت بھری زندگی گزارنی پڑی ہے۔ قصہ مختصر شہناز نے خود کو مجھ میں کھپا دیا مجھ سے میرے سوا کچھ نہ طلب کیا۔ مجھے ہمیشہ میرے حق سے بڑھ کر نوازا۔'' ۹۸

جمال احسانی کا اپنی بیوی کے حق میں یہ اعتراف قطعاً مبالغہ نہیں۔ وہ نہایت اطاعت شعار خاتون تھی۔ جمال احسانی کے قریبی احباب کے لئے وہ شہناز بھابھی رہیں۔ انہوں نے جمال احسانی کی زندگی میں آنے والی مشکلات کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا۔ جمال احسانی کی شاعری اُردو ادب کے نامور نقاد ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں ''جمال احسانی اور ستارہ سفر مجھے دونوں پسند ہیں۔ ستارہ سفر سے جمال کی شاعری کے بہتر مستقبل کا پتہ چلتا ہے۔ مجھے جمال سے بہت مثبت توقعات کی امید ہے۔'' ۹۹

جمال احسانی کا رنگِ سخن بھی غالب، اقبال، فیض اور ظفر اقبال کی طرح میر کے اُفق سے سرشار ہو کر ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ میر فکر کو احساس بنا کر پیش کرتا ہے جمال احسانی کے ہاں بھی یہ کوشش رو پذیر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بڑی شاعری طرزِ احساس کی شاعری ہوتی ہے اس لئے جو نقاد طرزِ احساس کی شاعری کو پسند کرتے ہیں۔ اُردو شاعری خصوصاً اُردو غزل میں وہ جمال احسانی اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے اس نظریئے کے قائل نظر آتے ہیں کہ میر سے اکتسابِ فیض کئے بغیر جدید شاعری صحیح خطوط پر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ وہ جدید شاعری جس میں میر سے اکتساب لفظی و معنوی سطح پر مقدم سمجھا گیا ہے وہ اعلیٰ شاعری کے زمرے میں آتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''اُردو شاعری کی اعلیٰ اور صحت مند روایت کا دھارا میر کی شاعری سے پھوٹتا نظر آتا ہے اور جدید شاعری کو بھی روایت کے اسی عظیم الشان دھارے کا ایک جزو اور توسیع ہونا چاہیے اس لئے میں کہتا ہوں کہ میر کے شعری رویوں اور طرزِ احساس سے یکسر کٹ کر جو شاعری ہو رہی ہے وہ اپنی رہی سہی معنویت اور اہمیت

Scanned with CamScanner

بھی کھو بیٹھی ہے۔'' ۱۰۰؎

جدید اُردو شاعری میں میر کی روایت کے پاسداروں میں سب سے معتبر نام ناصر کاظمی کا ہے۔ جمال احسانی خود کو ناصر کاظمی کی روایت کا آدمی کہتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فاطمہ حسن صاحبہ اپنے مضمون ''جمال احسانی عہد حاضر کا اہم شاعر' میں لکھتی ہیں:

> ''جمال کی شاعری میں کلاسیکی طرز اور جدید حسیت کا ایسا امتزاج ہے جو شعوری نہیں
> اس کی وجہ اس کا اپنے عہد سے اور نئے لکھنے والوں سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ
> کلاسیکی شاعری کا گہرا مطالعہ تھا۔ جمال اساتذہ کی زمین پر بھی قدم رکھتا ہے تو اپنی
> شناخت نہیں کھوتا اسے اپنی بات کہنے کا سلیقہ آتا تھا۔'' ۱۰۱؎

میر کے سلسلے سے وابستہ ہونے کا اظہار ''رات کے جاگے ہوئے'' میں جمال احسانی کے حرفِ زبان کی حد تک ہی نہیں کیا بلکہ طرزِ احساس کی موج بھی اسی سمندر سے جا ملتی ہے۔ ان اشعار میں اس موج کی روانی دیکھنے کے قابل ہے۔

روزِ ازل سے خوگر سیلاب گریہ ہے
شہر شکستہ دل کے لب آب گریہ ہے
کیا اس پر التفات جو بیتاب گریہ ہے
یہ دیکھ کون واقف آداب گریہ ہے
ہو تیرا حُسن یک دو نفس یا مرا چراغ
جو کچھ بھی اس جگہ ہے وہ اسباب گریہ ہے
دامانِ عشق میں ہیں ثمر ہائے وصل و ہجر
یہ کشت جیب و آستیں شاداب گریہ ہے
عالم وہ عشق میں ہے کہ معلوم ہی نہیں
تعبیر گریہ ہے کہ مجھے خواب گریہ ہے
قدموں میں تیرے چادر خورشید ہے تو کیا
بالائے سر ہمارے بھی مہتاب گریہ ہے

Scanned with CamScanner

بجھتا نہیں جو اَشک فروزاں ہو ایک بار
وہ آنکھ ہر لحاظ سے محراب گریہ ہے
آئے گی غم میں نیند کی اِک لہر بھی مگر
پلکیں نہیں جھپکنا کہ یہ باب گریہ ہے
یہ راز اس کے بوسہ لب سے کھلا جمالؔ
رخسار و چشم کیا ہیں تب و تاب گریہ ہے ۱۰۲؎

جمال احسانی کا یہ مجموعہ ''رات کے جاگے ہوئے'' مجموعی اعتبار سے گہری فکر اور کلاسیکیت کی طرف ایک قدم ہے۔ فکری اعتبار سے یہ مجموعہ کلام مضبوط اور مربوط ہے۔ اس میں شاعر کی سیاست اور معاشرت سے وابستگی مشاہدے اور بالغ نظری کا ثبوت ہے۔ روایت و درایت کا امتزاج، خوبصورت خیالات اور نکھرے ہوئے ذوق کا آئینہ دار ہے۔

جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ''خوشبو کی شاعرہ'' پروین شاکر کچھ یوں رقمطراز ہیں:

''آنگن آنگن شمع خیال یار جلے
رات آئی اور لوگ ستارہ وار جلے

میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا شعر ہے؟ کسی نے کہا کہ بندہ روزی روٹی کے لئے عرب میں کسی جگہ صحرا کی خاک چھان رہا ہے۔ بات آئی گئی ہوئی اور اس کے بعد جمال کے اشعار نظر سے گزرتے رہے۔ اس سے صاحب سلامت بلکہ اچھی خاصی شناسائی سے ہوتے ہوئے دوستی میں بدل گئے۔ اچانک ایک روز اس شعر:

ع اس آنکھ میں ایک رنگ ہے اور رنگِ ندامت
یہ ہار ہے اور ماننے والے کے لئے ہے

سماعت کا حصہ بنا وہ دن ہے اور آج کا دن میں نے جمال احسانی کو معاف نہیں کیا۔'' ۱۰۳؎

سقوطِ ڈھاکہ دو ملکوں کا نہیں ایک تہذیب کے دو لخت ہونے کا سانحہ ہے۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی ملک کو سقوط کا سامنا کرنا پڑا اس کے حساس دلوں نے نوحے لکھے اور اپنے غم کو شعروں میں ڈھال دیا۔ سقوطِ ڈھاکہ پر بھی اُردو شاعری نے اس المیہ کو وسیلہ اظہار بنایا اور دلوں کو تڑپایا اور ذہنوں کو سوچنے پر مجبور

Scanned with CamScanner

کیا۔ اس سانحے سے براہِ راست متاثر ہونے والے اُردو شاعروں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تاہم بالواسطہ متاثر ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ جمال احسانی اگرچہ بالواسطہ متاثر ہونے والے شعراء میں شامل ہیں تاہم اظہار کی بے ساختگی اس سانحہ کا گہرا اثر قبول کرنے کا نتیجہ نظر آتی ہے۔

میرے بھی دستخط ہیں سرِ محضرِ شکست
میرے لئے بھی بچ کے نکلنا محال ہے [۱۰۴]

ملکی سالمیت کو جب خطرہ لاحق ہو تو بیدار ضمیر سرحدوں پر پہرہ داری کا فرض ادا کرتے ہیں لیکن جب اپنے بیگانے ہو جائیں تو باہر سے انسان ٹوٹتا ہی ہے اندر سے بھی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ سیاسی وڈیرے اپنی اپنی پگڑیوں کی فکر میں بھول جاتے ہیں کہ لاکھوں لوگ ان کے فیصلوں کے منفی اثرات جو سننے کی سکت نہیں رکھتے۔ شاعر جو دیدۂ بینائے قوم ہوتا ہے سب صورتِ حال دیکھتا ہی نہیں سوچتا بھی ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے سیاسی مضمرات جو کچھ بھی ہوں یہ حقیقت ہے کہ اس سانحے سے حساس لوگ بہت متاثر ہوئے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں عہد حاضر کے نامور محقق شاعر عقیل عباس جعفری لکھتے ہیں:

''جمال احسانی کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ دوست زیادہ اچھا ہے یا شاعر؟ دوست کی ایک پہچان تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پریشاں حالی و درماندگی میں دوست کا ہاتھ تھام لے اور اچھے شعر کی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی مشکل لمحے کو آسانی سے گزار دے اور آپ یہ کہہ اٹھیں کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ جمال کی دوستی اور شاعری دونوں میں یہ صفات بھرپور طریقے سے ملتی ہیں۔'' ستارہ سفر' سے ''رات کے جاگے ہوئے'' تک جمال کا سفر ارتقاء کا سفر ہے۔ اس سفر نے انہیں بہت اعتماد اور یقین عطا کیا ہے جو ان کی غزلوں میں نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کتنی آسانی سے ایسا شعر لکھ گئے ہیں کہ:

یہ راز ہو ہی چکا ہے اب آشکار مجھ پر
ہے اس جہاں کا تمام دارومدار مجھ پر'' [۱۰۵]

جمال احسانی کے موضوعات اپنے معاصرین سے مختلف نہیں ہے لیکن ان کے بعض ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جن میں اندازِ بیاں میں فرق نے پوری بات ہی کو بدل دیا ہے۔ ایسے اشعار پڑھ کر جمال احسانی کی فکر اور نیا راستہ تراشنے کی کوشش ابھر کر سامنے آتی ہے۔

Scanned with CamScanner

میرا مکاں مری غفلت سے بچ گیا ورنہ
کوئی چرا کے مرے بام و در چلا جاتا ۱۰۶

مکان کا ہوشیاری کے سبب چوری ہو جانے سے محفوظ رہنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر غفلت سے اس کے بام و در کی حفاظت ہو ایسا ممکن نظر نہیں آتا لیکن جمال کے اس شعر میں قول و محال کی شکل جہاں فن پر شاعر کی دسترس کی دلیل ہے وہاں اس کے مطالعے اور گہرے مشاہدے کی بھی گواہ ہے۔ اس طرح کے اشعار جمال احسانی کے ہم عصروں کے ہاں نہیں ملتے۔

کنجیاں خانہ ہمسایہ کی رکھتے کیوں ہو
اپنے جب گھر کی حفاظت نہیں کی جا سکتی ۱۰۷

جمال احسانی کے ہاں صرف خیال کی لذت ہی نہیں حقیقتوں کا ادراک بھی ہے۔ یہ شعر جمال احسانی کی گہری سیاسی بصیرت کا نمائندہ ہے کہ ہم نے خود کو کس طرح افغانستان کی جنگ میں جھونکا جس کے منفی اثرات ہم ابھی تک برداشت کر رہے ہیں۔ دہشت گردی، فرقہ واریت اور عام شہریوں کی کتنی جانیں ہم اس جنگ کی نظر کر چکے ہیں۔ ہمیں اتنی ذمہ داری لینی چاہئے جتنی آسانی سے نبھائی جا سکے۔ وہ جب اپنے گھر کو غیر محفوظ دیکھتا ہے تو خانہ ہمسایہ کی حفاظت کا ذمہ لینا درست نہیں سمجھتا اس لئے واضح طور پر ایسا کرنے سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

جہاں مامور کرتا ہے خدا تخریب کاروں کو
وہاں دو چار وہ بستی بسانے والے رکھتا ہے ۱۰۸

سیاست قدرتی آفات، جنگی حالات و واقعات جہاں زندگی کے لئے پریشان کن ہیں وہاں خدا ان کے سدباب کی سبیل بھی پیدا کر دیتا ہے۔ تخریب و تعمیر کا عمل ساتھ ساتھ چلتا ہے اس طرح معاشرے میں جہاں تخریبی عناصر موجود ہوتے ہیں وہاں تعمیری ذہن رکھنے والے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی توازن سے زندگی کا نظام قائم ہے۔

صورت دل بڑے شہروں میں رہ یک طرفہ
جانے والوں کو بہت یاد کیا کرتی ہے ۱۰۹

داخل اور خارج کا امتزاج شعر میں شاعر کے حساس اور باشعور ہونے کی دلیل ہے۔ شعر پر غور

Scanned with CamScanner

کریں تو دل اور سڑک کی حالتوں میں بظاہر کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتی۔ جمال احسانی نے رہِ یک طرفہ کا لفظ استعمال کر کے بات میں وسعت پیدا کر لی ہے اور ایک نئے خیال کو لفظوں کا جامہ پہنا دیا ہے۔ رہِ یک طرفہ سے ایک دفعہ گزر جانے والے پھر ادھر سے لوٹ کر نہیں آتے۔ اسی طرح دل سے جدا ہو جانے والے بھی ہمیشہ ایک یاد بن کر رہ جاتے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں عارف امام کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

''شعر کہنے کے عمل کو دائرے کھینچتے اور ان میں سفر کرتے رہنے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ میرے نزدیک شعر کہنے کا عمل مختلف سمتوں میں بیک وقت سفر کرنے کا نام ہے۔ ایسا سفر جس میں کوئی قدم اپنے ہی نقش قدم پر دوبارہ نہیں پڑتا بلکہ قدموں کا درمیانی فاصلہ مسلسل بڑھتا رہتا ہے اور میرا خیال ہے کہ جمال احسانی کے قدموں کا درمیانی فاصلہ مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔

ایک فقیر چلا جاتا ہے پکی سڑک پر گاؤں کی
آگے راہ کا سناٹا ہے پیچھے گونج کھڑاؤں کی

اور

ستارہ جبریل سے سرسری گزر کے
رُکی بالآخر نگاہ آئینہ دار مجھ پر

کے درمیان ایک طویل مسافت صاف دکھائی دے رہی ہے۔'' ۱۱۰

اُردو غزل شاعری کی وہ سدا بہار صنف ہے جو ہر زمانے میں تروتازہ رہی ہے۔ فطرت نگاری کو ادب میں Naturalism کہا جاتا ہے اور یہ تقریباً تمام اصناف ادب کا حصہ ہے۔ فطرت نگاری ادب کو مظاہر فطرت اور مناظر سے جوڑتی ہے اور اس کے ذریعے تخلیقات میں خوشگوار احساس اُجاگر کیا جاتا ہے۔

فطرت نگاری کے ضمن میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

''وہ لوگ جو فطرت نگاری کے مسلک پر عامل ہیں انہیں اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ حقیقت پسندی میں اس غلو کے باعث ان کی تحریروں کی دُنیائے خیال بے ربطی اور بے جہتی کا شکار ہو جائے گی۔ فطرت نگاروں کا عقیدہ ہے کہ مواد دُنیائے فطرت میں جہاں بھی موجود ہو اس کی نوعیت جو بھی ہو ادب کی دُنیا کی چیز ہے چنانچہ محبت اور جنسی زندگی کے سماجی پہلو کے علاوہ حیاتیاتی اور طبعی پہلو کو بھی فطرت نگاروں

نے بھی ادب کا موضوع بنایا ہے۔'' [۱۱۱]

اُردو میں فطرت نگاری کا ابتدائی دور عادل شاہی اور قطب شاہی دور کے شعراء کے ہاں ملتا ہے۔ ان کے کلام میں مثنوی، قصیدہ، غزل میں مناظر فطرت کی عکاسی نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ قطب شاہی دور کے مشہور شاعر قلی قطب شاہ کی شاعری میں فطرت نگاری عروج پر نظر آتی ہے۔

اس ضمن میں انور سدید لکھتے ہیں ''قلی قطب شاہ حواس خمسہ کو سرشار کرنے والا شاعر ہے۔ عورت اور فطرت کا حُسن اس پر حسی مسرت کے در وا کر دیتا ہے۔'' [۱۱۲]

قلی قطب شاہ کے کلام میں فطرت نگاری کی جھلکیاں ملاحظہ کیجئے:

بسنت کھیلیں عشق کی آ پیارا
تمہیں ہے چاند میں ہوں جوں ستارہ
مئے لالی سے رُخ زردی ہماری دور کر ساقی
مجالس زہرہ رقاصی سے تو پُرنور کر ساقی [۱۱۳]

اس طرح ملا وجہی کی نثر میں بھی مناظر فطرت کی مثالیں ملتی ہیں۔ اُردو کی افسانوی نثر کے علاوہ قدیم اور جدید شاعری میں فطرت نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ جمال احسانی ایسے جدید غزل گو ہے جس کے ہاں مظاہر فطرت کو دلکش پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ریاض احمد شاد اپنے مضمون ''جمال اپنے سفر کا خود ستارہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''جمال کے ہاں ہر جذبہ اپنی شدت کے ساتھ ملتا ہے۔ اس کی شاعری میں جو لینڈ اسکیپ بنتے ہیں ان میں کھلے پانی، وسیع صحرا، لمبا سفر، چلتی ہوائیں اور پھیلا آسمان پینٹ کئے گئے ہیں۔ کھلی کھلی فضائیں لئے ہوئے اس کے شعروں سے شاعر کی خوشی، اس کا ذہن، اس کی امنگیں اور اس کے خواب جھلکتے ہیں۔'' [۱۱۴]

جمال احسانی کی شاعری میں دریا، سمندر، آسمان، صحرا، فضائیں اور فطری رعنائی کے جوبن جابجا دیکھے جا سکتے ہیں۔ جمال احسانی جہانِ دور بینی کا شاعر ہے وہاں وہ معروضی زندگی کی تمام تر صورتوں کو بھی اپنے کلام میں پیش کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ ان کی غزلوں میں فطرت نگاری ایک خاص توازن اور خوبصورتی کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے مشاہدات اور تجربات میں فطری مظاہر سے بھرپور لگاؤ نظر آتا ہے۔

Scanned with CamScanner

سمندر کی بے چینیوں کا عکاس اور چاند ان کے احساسِ جمال کا نمائندہ تھا۔ سمندر کا نظارہ کرنے کے لئے انہوں نے کلفٹن میں فلیٹ لیا جہاں ہر وقت سمندر ان کی نگاہ میں رہتا۔ اپنے مضمون ''درونِ خانہ'' میں اسی بابت لکھتے ہیں ''فلیٹ کی بالکونی سے سمندر اور اس کے کنارے موجوں سے خوش فعلیاں کرتے ہوئے لوگ دل اور آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں۔ میں بالکونی سے اکثر یہ منظر دیکھتا اور بچوں کی طرح خوش ہوتا۔'' ۱۱۵

سمندر سے محبت ان کے اشعار میں جابجا نظر آتی ہے۔

سمندروں کا سفر آج تو مزہ دے گا
ہوا بھی تیز ہے کشتی بھی بادبانی ہے ۱۱۶

☆

سمندروں کے درمیان سو گئے
تھکے جہاز ران سو گئے ۱۱۷

اس طرح چاند کے ہمراہ راتوں کو دور دور تک سفر اور کھلے علاقے سے چاند کا نظارہ کرنا ان کے مزاج کا حصہ بن گیا جس کی بازگشت ان کے اشعار میں جابجا سنائی دیتی ہے۔

چاند اس ساتھ ستارہ مرے ساتھ
کوئی کرتا یہ نظارہ مرے ساتھ ۱۱۸

☆

دیکھ کے بام پر میرا چاند
آج کی رات نہ نکلا چاند
سب کی اپنی اپنی رات
سب کا اپنا اپنا چاند
شہر کی سُونی گلیوں میں
میں ہوں اور آوارہ چاند
دیکھنا چاہوں میں وہ آنکھ
جس نے پہلے دیکھا چاند ۱۱۹

Scanned with CamScanner

شاعری میں منظرنگاری اور تصویر کشی شاعری کا حُسن دوبالا کر دیتی ہے۔ اس عنصر کو شاعری میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ جمال احسانی نے بھی ان اشعار میں چاند سے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ اعتبار ساجد کے بقول نسوانیت سے بھرپور حُسن کی طرح سمندر اور چاند بھی جمال احسانی کی کمزوری تھے۔ وہ کھلی فضاؤں میں چاند کو دیکھنے کے عادی تھے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں اُردو کے مشہور شاعر احمد فراز لکھتے ہیں ''منیر نیازی نے کہا ہے کہ جمال احسانی مجھ سے کہیں بہتر شاعر ہے۔ مجھے منیر نیازی سے اختلاف ہوسکتا ہے مگر میں اس کی تصدیق کے لئے جمال کو ایک بار مزید پڑھوں گا۔'' ۱۲۰

فرمان باری تعالیٰ ہے ''ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔''

موت ایک حقیقت وصداقت ہے۔ موت برحق ہے جس کا ہر جاندار شے کو سامنا کرنا پڑے گا۔ ہر روز نہ جانے کتنے لوگ پیدا ہوتے ہیں اور کتنے اس دُنیا فانی سے رحلت کر جاتے ہیں۔ یہ نظامِ کائنات ہے کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے۔ کسی کو یہاں ثبات نہیں ہے۔ اُردو شاعری کی بات کریں تو اس کا دامن موت وحیات کے فلسفوں سے بھرا پڑا ہے۔ بے شمار شعرا نے حیات وموت کے مضامین اپنے اشعار میں باندھے ہیں۔ شاعری کے علاوہ نثر پاروں میں بھی موت وحیات کے موضوعات ملتے ہیں۔ جمال احسانی نے حیات وموت کے مضامین کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ کیجئے:

نہ کوئی فال نکالی نہ استخارہ کیا
بس ایک صبح یونہی حلق سے کنارہ کیا ۱۲۱

☆

چراغ بجھتے چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے ۱۲۲

☆

تمام اسباب خاک ڈھونڈنے والا ہے
ترا مہمان چند لمحوں میں رخصت ہونے والا ہے ۱۲۳

۱۰ فروری ۱۹۹۸ء کا دن تھا اُردو ادب کا یہ نامور شاعر ساری زندگی بے چین اور بے قرار رہنے والا اب آنکھیں بند کئے ہمیشہ کی نیند سونے جا رہا تھا۔ انہیں عشاء کے وقت کراچی کے گلستانِ جوہر کے قبرستان میں دفن

Scanned with CamScanner

کیا گیا۔ جمال احسانی کے جنازے میں اہل قلم ساتھیوں سمیت لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اہل قلم ساتھیوں نے نظم و نثر میں ان کی جدائی کا دکھ بیان کیا۔ ان کی وفات پر بہت سے شعراء نے قطعہ تاریخ وفات کہے۔ ان کی لوح پر راغب مراد آبادی کا یہ قطعہ کند کرایا گیا۔

ذی علم و ہنر جمال احسانی تھے
مائل بہ سفر جمال احسانی تھے
بخشیں گے عدم میں بھی سخن کو تب و تاب
''نو روز نظر جمال احسانی تھے'' ۱۲۴

۱۰ فروری ۱۹۹۸ء کو اُردو شاعری کا یہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، غزل کا مزاج، مشمولہ تنقیدی مقالات، مرتب: مرزا ادیب، لاہور، اشاعت ۱۹۶۴ء، ص: ۱۲۹

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل)، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء)، ص: ۳۳۷

۳۔ نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، دہلی کا دبستان شاعری، (لکھنو: اتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۹۷ء)، ص: ۴۳۳

۴۔ یوسف حسین خان، اُردو غزل، (دہلی: مکتبہ جامعہ دہلی، اشاعت ۱۹۵۲ء)، ص: ۱۳۵

۵۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، (اسلام آباد: نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اشاعت اوّل، ۱۹۸۸ء)، ص: ۱۹۲

۶۔ فتح محمد ملک، غزل اور نئی غزل، مشمولہ ادبِ لطیف، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص: ۵۹

۷۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، ص: ۹۱۷

۸۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، (کراچی: آفسٹ پریس سندھ، .....)، ص: ۸

۹۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء)، ص: ۹۱

۱۰۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، اشاعت ۲۲ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۱۰

۱۱۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۸

۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۳۷

۱۳۔ ایضاً، ص: ۵۱

۱۴۔ ایضاً، ص: ۳۱

۱۵۔ ایضاً، ص: ۵۰

۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۹

Scanned with CamScanner

۱۷۔ ایضاً،ص: ۲۶

۱۸۔ سائرہ غلام نبی، مخاطب (شعراء سے مکالمہ) ، (فیصل آباد: مثال پبلشرز رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ امین پور بازار، اشاعت اوّل، جنوری ۲۰۱۰ء)،ص: ۹۲

۱۹۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۲۶

۲۰۔ ایضاً،ص: ۲۷

۲۱۔ ایضاً،ص: ۱۲۶

۲۲۔ ایضاً،ص: ۱۳۵

۲۳۔ ایضاً،ص: ۲۷۵

۲۴۔ ایضاً،ص: ۴۰۱

۲۵۔ ایضاً،ص: ۹۲

۲۶۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، سر گزشت جمال احسانی، کراچی، اشاعت ۲ مئی ۱۹۹۸ء،ص: ۲۰۔ ۲۱

۲۷۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۱

۲۸۔ ایضاً،ص: ۳۴۱

۲۹۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، سر گزشت جمال احسانی،ص: ۴۰

۳۰۔ سائرہ غلام نبی، مخاطب (شعراء سے مکالمہ)،ص: ۹۱

۳۱۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۳

۳۲۔ راقم کا ڈاکٹر فاطمہ حسن سے انٹرویو، (لاہور: بمقام الحمرا آرٹس کونسل، بتاریخ ۸ مارچ ۲۰۲۰ء)، دن ۱۱ بجے

۳۳۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۱۸

۳۴۔ ایضاً،ص: ۲۵

۳۵۔ ایضاً،ص: ۵۳

۳۶۔ ایضاً،ص: ۱۰۶

۳۷۔ ایضاً،ص: ۹۷

Scanned with CamScanner

۳۸۔ ایضاً،ص: ۸۹

۳۹۔ ایضاً،ص: ۳۹۷

۴۰۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل،ص: ۶۱۵

۴۱۔ ایضاً،ص: ۶۱۶

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ،ص: ۱۰

۴۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۴۱

۴۵۔ ایضاً،ص: ۲۲۵

۴۶۔ ایضاً،ص: ۳۲

۴۷۔ ایضاً،ص: ۳۵۹

۴۸۔ ایضاً،ص: ۲۶۲

۴۹۔ ایضاً،ص: ۲۴۰

۵۰۔ ایضاً،ص: ۴۰۱

۵۱۔ توصیف تبسم، انتخاب کلام ناصر کاظمی ، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت اوّل، ۲۰۱۰ء)،ص: ۲۰

۵۲۔ ایضاً،ص: ۱۰۰

۵۳۔ ایضاً،ص: ۳۰

۵۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۲۹

۵۵۔ ایضاً،ص: ۳۳

۵۶۔ ایضاً،ص: ۶۳

۵۷۔ ایضاً،ص: ۳۶۲

۵۸۔ ایضاً،ص: ۳۹۹

۵۹۔ ایضاً،ص: ۶۱

Scanned with CamScanner

۶۰۔ ایضاً،ص: ۶۲

۶۱۔ ایضاً،ص: ۷۹

۶۲۔ ایضاً،ص: ۱۰۵

۶۳۔ ایضاً،ص: ۳۶۹

۶۴۔ ایضاً،ص: ۳۰۳

۶۵۔ صابر وسیم، آنسوؤں کے درمیاں، مشمولہ روزنامہ جسارت (سنڈے میگزین)، اشاعت ۲۳ فروری ۱۹۹۸ء،ص: ۸

۶۶۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، (کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۹۵ء)،ص: ۱۰

۶۷۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۲۳۷

۶۸۔ ایضاً،ص: ۲۱۳

۶۹۔ ایضاً،ص: ۲۲۹

۷۰۔ امجد اسلام امجد، چشم تماشا، مشمولہ روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء،ص: ۱۰

۷۱۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۶

۷۲۔ ایضاً،ص: ۴۴

۷۳۔ ایضاً،ص: ۵۸

۷۴۔ جمال احسانی، ستارہ سفر، (کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۸۲ء)،ص: ۵

۷۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۱۵۳

۷۶۔ ایضاً

۷۷۔ ایضاً،ص: ۳۸۴

۷۸۔ جمال احسانی، تارے کو مہتاب کیا، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)،ص: ۵

۷۹۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۴۰

۸۰۔ ایضاً،ص: ۲۸

۸۱۔ ایضاً،ص: ۲۱۲

Scanned with CamScanner

۸۲۔ ایضاً،ص: ۲۲۸

۸۳۔ ایضاً،ص: ۱۷۰

۸۴۔ ایضاً،ص: ۷۸

۸۵۔ ایضاً،ص: ۲۷

۸۶۔ ایضاً،ص: ۴۰۰۴

۸۷۔ شاکر کنڈان، نعت گویان سرگودھا، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۶ء)،ص: ۳۴

۸۸۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۵۴

۸۹۔ ایضاً،ص: ۳۷۷

۹۰۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر، پاکستان اُردو غزل ایک اجمالی جائزہ، لاہور: ماہ نو گولڈن حویلی نمبر ۱۴۳

۹۱۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۸۶

۹۲۔ ایضاً،ص: ۳۹۹

۹۳۔ ایضاً،ص: ۲۵

۹۴۔ ایضاً،ص: ۲۲۴

۹۵۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ،ص: ۱۰

۹۶۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۹۸

۹۷۔ ایضاً،ص: ۲۹۱

۹۸۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ،ص: ۱۰

۹۹۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۹۵

۱۰۰۔ علمدار حسین گیلانی، میر کا طرز احساس اور جدید نظم ، مشمولہ فنون، شمارہ ۱۹، اگست ستمبر ۱۹۸۳ء،ص: ۴۵۰

۱۰۱۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، جمال احسانی عہد حاضر کا اہم شاعر، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء)،ص: ۸

Scanned with CamScanner

۱۰۲۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۲۵۷

۱۰۳۔ ایضاً،ص: ۴۰۰

۱۰۴۔ ایضاً،ص: ۹۷

۱۰۵۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے،ص: ۵

۱۰۶۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص:

۱۰۷۔ ایضاً،ص: ۳۱

۱۰۸۔ ایضاً،ص: ۲۳۰

۱۰۹۔ ایضاً،ص: ۵۱

۱۱۰۔ ایضاً،ص: ۴۰۳

۱۱۱۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص: ۱۳۵

۱۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، .....)،ص: ۱۱۳

۱۱۳۔ ایضاً

۱۱۴۔ ریاض احمد شاد، جمال اپنے سفر کا خود ستارہ، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء)،ص: ۸

۱۱۵۔ جمال احسانی، درون خانہ، مشمولہ روزنامہ جنگ،ص: ۱۰

۱۱۶۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۲۸۶

۱۱۷۔ ایضاً،ص: ۳۴

۱۱۸۔ ایضاً،ص: ۳۸۶

۱۱۹۔ ایضاً

۱۲۰۔ ایضاً،ص: ۳۹۹

۱۲۱۔ ایضاً،ص: ۵۰

۱۲۲۔ ایضاً،ص: ۲۲

Scanned with CamScanner

۱۲۳۔ ایضاً، ص: ۱۵

۱۲۴۔ راغب مراد آبادی، مشمولہ روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء، ص: ۸

☆☆☆

Scanned with CamScanner

باب سوم:

جمال احسانی غزل کا اُسلوبی مطالعہ

Scanned with CamScanner

جمال احسانی غزل کا اُسلوبی مطالعہ

انسانی زندگی میں تبدیلی کی طرح ادب میں بھی تغیر پذیری کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ عمل فکری اور فنی سطح پر رونما ہوتا ہے۔ اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل فنی حوالوں سے اپنی ایک الگ شناخت رکھتی ہے۔ اُردو غزل نے ہر دور کے تقاضوں کا ساتھ دیا ہے اور اس نے ان فنی اور اسلوبیاتی تبدیلیوں کو بھی قبول کیا ہے جو بعض دوسری اصناف قبول کرنے سے گریزاں رہی ہیں۔ موضوع کا تعلق شاعر یا ادیب کی سماجی زندگی سے ہوتا ہے لیکن شاعر کسی کیفیت، کسی واردات یا زندگی کے کسی پہلو، کسی سمت، کسی رُخ کی تصویر کشی کرنے کے لئے فنی لوازم کا پہاڑ سہارا لیتا ہے۔ ان کا انتخاب اور استعمال کا تعلق اس کی اپنی شخصیت سے ہوتا ہے۔ یہی شخصیت کسی ادبی تخلیق میں جمالیاتی اقدار پیدا کرتی ہے۔ اس میں ہیئت، اسلوب، طرزِ ادا اور اندازِ بیان سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ موضوع اور ان کے تمام عناصر میں ہم آہنگی، توازن اور ترتیب کا لحاظ رکھنا، ایک اچھے شاعر یا قلم کار کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک فنکار کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔ غرض شاعری ہو یا مصوری، موسیقی، مجسمہ سازی ہو یا خطاطی، فنون لطیفہ کا کوئی بھی شعبہ کیوں نہ ہو موضوع، مواد، اسلوب میں ہم آہنگی، توازن اور تناسب کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ پھر شاعری کو دیگر فنونِ لطیفہ پر یوں بھی فوقیت حاصل ہے۔ شاعری کا براہِ راست تعلق انسانی جذبات و احساسات سے ہے جس کا اظہار بصورتِ الفاظ ہوتا ہے۔ شاعر اپنے احساسات و افکار کی تصاویر بہ بشکل الفاظ کھینچتا ہے۔ ان لفظوں کی ترتیب و تعظیم وہ شاعری کے ایسے خارجی سانچوں میں کرتا ہے جو اس کے ما فی الضمیر کو کافی مؤثر حسین اور دلکش بنا دے۔ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس سبب سے شاعری کو مشکل فن کہا گیا ہے۔ اس کے باوجود شاعری پر ملک اور ہر عہد میں مقابلتًا دیگر فنونِ لطیفہ زیادہ ہر دلعزیز و مقبول رہی ہے۔

جمال احسانی جدید شعراء میں ایک ایسے غزل گو کے طور پر سامنے آتے ہیں جنہوں نے اپنی غزل کے فنی اور اسلوبیاتی پہلوں کی بدولت ناقدین اور قارئین کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ اُردو غزل میں انفرادیت پیدا کرنا ایک مشکل کام ہے تاہم جمال احسانی نے اپنی فنی صلاحیتوں کی بدولت اسلوبیاتی حوالوں سے غزل میں اپنا ایک خاص

Scanned with CamScanner

مقام پیدا کیا ہے۔ اس ضمن میں اُردو ادب کے نامور نقاد جابر علی سید اس طرح رقمطراز ہیں:

''شاعری میں انفرادیت یا جدت کا مفہوم تخیل کی جدت یا انفرادیت سے وابستہ ہے۔ تخیل کی تعریف اب اس قدر متداول اور زبان زد ہو چکی ہے کہ اس کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ تخیل کائنات کے اجزاء میں ایک نئے رشتے کی دریافت کرتا ہے۔''[۱]

جمال احسانی کی غزل شاعری کے تمام مروجہ اور اسلوبیاتی پہلوؤں سے مزین ہے۔ وہ اپنی غزل میں فنی حوالوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی غزلیہ شاعری اپنے فنی و اسلوبیاتی محاسن کے اعتبار سے بہت وسیع اور جداگانہ اسالیب کی حامل ہے۔ جمال احسانی نے اپنی غزل میں فکر و احساس کے سرمائے کے ساتھ ساتھ اپنے فن کو بھی انفرادیت کے ساتھ برتا ہے۔ ان کے فنی محاسن ان کی غزل کو ایک نیا ذائقہ دینے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں کیونکہ کسی فن پارے میں زبان و بیان محاورہ بندی، تلمیحات کے استعمال کے علاوہ علامت نگاری اور عروضی نظام بھی اپنا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اُردو کے ممتاز محقق و نقاد ڈاکٹر عبارت بریلوی اپنی کتاب ''شاعری اور شاعری کی تنقید'' میں شاعری کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شاعری جذبات کی دل آویز موسیقی ہے۔ احساسات کی حسین مصوری ہے۔ تخیل کا ایک رقص دلفریب ہے۔ وہ جنت نگاہ بھی ہے اور فردوس گوش بھی۔ اس کا اثر دل و دماغ دونوں پر ہوتا ہے۔ وہ قوالی کے تاروں کو چھیڑتی ہے اور روح پر سرخوشی بن کر چھا جاتی ہے۔ وہ جذب و شوق کی ایک لغزش مستانہ ہے۔ عقل و شعور کا ایک حسین ارتعاش ہے۔ حسن و جمال کی ایک دل موہ لینے والی اور لطیف تھرتھراہٹ ہے۔''[۲]

شاعر کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے ہاں جذبات و احساسات کی کچھ لہریں سی اُٹھتی ہیں۔ ان لہروں کو وہ شاعری کا روپ دے کر زندہ جاوید کرتا ہے۔ یہی اس کا تجربہ ہے اور یہی فن ہے کہ وہ مشاہدے اور محسوسات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال کر دوسروں کے سامنے دلنشین انداز میں پیش کرتا ہے۔ ہر عہد میں فنکار نئے اسلوب کی تلاش میں رہتا ہے جو اس کی انفرادیت کی پہچان بنتا ہے۔ دراصل اسلوب کے ذریعے ہم کسی بھی شاعر کی شخصیت کا اس کے اظہار کی تکنیک اور اس کے اظہار کی انفرادیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی اپنی کتاب ''ادبی اصطلاحات کا تعارف'' میں اسلوب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طرز ادا طریق اظہار یا خیالات و جذبات کا

Scanned with CamScanner

اظہار و بیان کا ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) کے شمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفہ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں اس لئے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے۔'' ۳؎

کسی بھی فن پارے کی قدر و منزلت متعین کرنے میں اسلوب کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اندازِ بیان میں احساس کی شدت، ادبی خلوص، طرزِ فکر اور حاشیہ سب ہی عناصر کسی بہترین اسلوب پر روشنی ڈالتے ہیں اور جمال احسانی کے کلام میں وہ تمام خوبیاں نظر آتی ہیں جو اچھے اور کامیاب اسلوب کی پہچان ہیں اور جن کی وجہ سے وہ جدید شعراء میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ اُردو ادب کے نامور نقاد شاعر ساقی فاروقی، جمال احسانی کی شاعرانہ عظمت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جمال احسانی میں کیا ہے کہ میں نے مروجہ شعری منظرنامے کا اتنی تفصیل سے جائزہ لیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ۲۵ اور ۴۰ سال کے درمیان (یہ عمر کا بیان ہے سنہ کا نہیں) کے لکھنے والوں نے کراچی، لاہور، سرگودھا، دلی، بمبئی اور احمد آباد کی ادبی فضاؤں میں جو تازگی اور پرکاری کی رنگارنگ دھنک تانی ہے جمال احسانی کی شاعری اسی دھنک کا ایک رنگ ہے۔ دس سال پہلے میں ان کا ایک مصرعہ شہروں شہروں لئے پھرا تھا ''ایک جگہ تو گھوم کے رہ گئی ایڑی سیدھے پاؤں گی'' یہ کوئی عظیم مصرعہ نہیں تھا مگر انوکھا اور اچھوتا ہے۔ اس میں عصر بھی ہے اور عصر سے آگے جانے کا امکان بھی۔ اس میں زبان کے سفر کی کہانی بھی ہے یعنی یہ کہ اس قسم کا مصرعہ دیا شنکر نسیم اور قائم چاندپوری نہیں لکھ سکتے تھے۔ تب سے اب تک جمال احسانی نے عظیم شاعری تو نہیں پیدا کی، فکر تازگی، احساسِ ندرت، زبان کا سفر جاری رکھا ہے اور مجھ جیسے لوگوں کو مایوس نہیں کیا۔'' ۴؎

جمال احسانی کی شاعری جہاں فکری سطح پر بلند مقام رکھتی ہے وہاں اعلیٰ فنی خوبیاں بھی اس میں موجود ہیں۔ ان کا اسلوب شیریں اور شُستہ ہے۔ زبان اور اظہارِ مطالب پر انہیں بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جو زبان استعمال کی وہ سادہ اور مانوس ہے اور ان کے مزاج کی سادگی کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کئی دلوں کی آواز معلوم ہوتی ہے اور ان کی بات دل میں اُتر جاتی ہے۔ جمال احسانی نے اعلیٰ

Scanned with CamScanner

مضامین اور بلند تخیل کو بھی سادہ اور سلیس پیرائے میں بیان کیا ہے:

؎ ایک فقیر چلا جاتا ہے پکی سڑک پر گاؤں کی
آگے راہ کا سناٹا ہے پیچھے گونج کھڑاؤں کی ۵

☆

؎ خاموش ہوں تو مجھے اتنا کم جواز نہ جان
مرے بیان سے باہر بھی ہیں سبب میرے ۶

☆

؎ رہنا نہیں اگرچہ گوارا زمین پر
لیکن اِک آدمی ہے ہمارا زمین پر ۷

☆

؎ خدا کے نام کی تکریم کے علمبردار
خدا کے گھر سے بھی اونچا مکان رکھتے ہیں ۸

جمال احسانی کا کلام بہت سادہ، رواں اور سلیس ہے اور اس میں ایک خاص روانی اور بہاؤ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مضامین کو نہایت سادگی، صفائی اور عام فہم لفظوں میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور ابہام سے گریز کیا ہے۔ ان کے اشعار کا بے ساختہ پن دل پر اثر کرتا ہے وہاں ان کی شعریت بھی دماغ کو محسور کرتی ہے اور اسلوب کو دلپذیر بناتی ہے۔ غلام حسین ساجد، جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''جمال احسانی کی غزل کی دُنیا آج کی دُنیا نہیں، گزرے ہوئے کل کی دُنیا ہے۔ اس کے یہاں وجود کی ساری کیفیتیں خواب ہوتی ہوئی یاد کے حوالے سے تشکیل پاتی ہیں اور حالات کے پے درپے تبدیلیوں کا سراغ دیتے ہوئے زمان رفتہ کو زمان آئندہ کے ساتھ اس طور ضم کرتی ہیں کہ ماضی عصری معنویت سے ہم آہنگ ہو کر ایک نئی دُنیا کی تشکیل میں پوری طرح کامیاب دکھائی دیتا ہے اور شاعر کی ذات میں سادگی اور ٹھہراؤ کی ایسی شگفتگی نمو پاتی ہے جو اس کی شخصیت کو مکمل یکسوئی سے ہمکنار کرتی ہے اور اس کے لہجے کو وقار بخشتی ہے۔'' ۹

Scanned with CamScanner

اُردو غزل کی کلاسیکی روایت میں سوز و گداز کے مضمون کو شاعری میں بڑے منفرد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر دور کے شعراء اپنی نرم اور حساس طبیعت کے باعث مضطرب رہے ہیں۔ یہ رویہ ان کی شاعری میں درد، جدائی کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ جمال احسانی حساس اور بے قرار نسان تھے۔ ان کی بے قرار طبیعت کا یہ وصف ان کی غزل میں ایک منفرد معنویت پیدا کرتا ہے۔ جمال احسانی کی طبیعت میں قدرت نے جو گداز رکھا تھا اور ان کی زندگی جس درد و الم سے بھری ہوئی تھی اس نے ان کی شاعری کو بھی سوز و گداز کا ایک پُر کیف مرقع بنا دیا تھا۔ سوز و گداز کی کیفیات کو کلاسیکی شعراء میں سے میر درد اور میر تقی میر نے ایک باطنی رویہ کے طور پر برتا ہے۔ جمال احسانی سوز و گداز کی کیفیت کا اظہار شاعرانہ پیرائے میں یوں پیش کرتے ہیں:

؎ چراغ بن کے جلا جس واسطے اِک عمر
چلا گیا وہ ہوا کے سپرد کرکے مجھے[۱۰]

☆

؎ یونہی مرنے والوں کو روتے ہوئے
جمالؔ ایک دن میں بھی مر جاؤں گا[۱۱]

☆

؎ نئے جہان کا در باز کرنے والی ہے
یہ روح جسم سے پرواز کرنے والی ہے[۱۲]

☆

؎ سب اپنے گھر میں مطمئن ہیں
مجھے کیوں بے قراری ہو رہی ہے[۱۳]

☆

؎ کوئی شے مکمل نہیں ہے یہاں
جو ہے وہ مسلسل نہیں ہے یہاں[۱۴]

☆

Scanned with CamScanner

ہر شے کے بدل گئے معانی
جب بھی تجھے بھولنے کی ٹھانی[۱۵]

سوز و گداز تغزل کی روح ہے۔ سوز و گداز کے بغیر شاعری بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں سوز و گداز کی کیفیات بڑے اچھوتے اور منفرد انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ اوپر دیئے گئے اشعار میں ان کے قلبی واردات غم کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ وضاحت نسیم، جمال احسانی کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کارِ جہان کا ذکر عشق کے بیچ لے آنا اب پہلے سے زیادہ قابل قبول نہ تھا جبکہ اس کا ذکر کیے بغیر انسان ادھورا رہتا ہے۔ ہماری شاعری کی آب و تاب خاص طور پر غزل میں اس لئے سلامت ہے کہ جدید تقاضوں اور نئے رجحانات کو اپنے اندر سمو لینے کی اہلیت رکھتی ہے مگر اس اہلیت سے کام لینا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ جمال احسانی کی شاعری مجھے اس لئے پسند ہے کہ اس میں سوز و گداز کی کیفیات کو بڑے منفرد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں حسن و عشق سے متعلق فرسودہ باتیں نہیں بلکہ ان کو لاحق نئے مسائل کا ذکر ہے۔''[۱۶]

سہل ممتنع اس نظم کو کہتے ہیں جو دیکھنے میں تو آسان نظر آئے لیکن کسی سے اس کا جواب نہ بن پائے۔ سہل ممتنع کمال فن کی دلیل ہے۔ سلاست روانی سے بھرپور شعر جس کی مزید سلاست کی گنجائش بھی نہ ہو۔ سہل ممتنع والا شعر سادگی کی اعلیٰ مثال ہوتا ہے اور قوت و تاثیر سے بھرپور ہوتا ہے۔ ایک کہنہ مشق شاعر ہی ایسی شاعری کر سکتا ہے۔ کلاسیکی غزل میں سہل ممتنع کی عام مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً مومن کا یہ شعر دیکھئے جو سہل ممتنع کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا[۱۷]

یہ وہ شعر ہے جس کے بدلے غالب اپنا دیوان دینے کو تیار تھے۔ اس میں عام فہم الفاظ ہیں لیکن موضوع کی گہرائی و گیرائی نظر آتی ہے۔ جمال احسانی بھی اس صفت کو نبھانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس صفت کو نبھانا عام شعراء کی بجائے خاص شعراء کا ملکہ ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں سہل ممتنع کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

؎ یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے[۱۸]

☆

؎ کچھ بھی تو ہمیں حسب تمنا نہ ملا
منزل تو بڑی بات ہے رستہ نہ ملا[۱۹]

☆

؎ جو بھی ہے نام پوچھتا ہے ترا
یہ بھلا کون سی شرافت ہے[۲۰]

☆

؎ محفل میں تجھ کو غیر سے وابستہ دیکھ کر
چپ ہیں ترا تکلف برجستہ دیکھ کر[۲۱]

☆

؎ میں نے اس شخص کی یاری کو ضروری جانا
اُس نے بس وقت گزاری کو ضروری جانا[۲۲]

مذکورہ تمام اشعار میں سہل ممتنع کہی مثالیں ہیں۔ جمال احسانی نے سادہ الفاظ میں گہری معنویت کے مضامین کو بیان کیا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری تاثیر کی قوت اور تادیر زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ انہوں نے پیچیدہ اور مشکل مضامین کو بھی سادگی میں بیان کیا ہے۔ ان کا یہی وصف ان کو دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں خاور احمد اس طرح رقمطراز ہیں:

''میں جمال احسانی کے شعری رویے سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کر پاتا کہ جمال احسانی ہم سے چند برس پہلے لکھنے والے جس گروہ کا فرد ہے اس گروہ میں اپنا مقام رکھتا ہے اور ستارہ سفر کے بعد یہ دوسرا مجموعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جمال اختلافات کو کم کرنے کے لئے نہیں اپنے شعری رویوں کو اعتبار نہ دینے کے لئے شعر کہتا ہے۔ اس ذاتی اعتماد سے قدم اُٹھانے والے کا راستہ کوئی بھی ہو اس کے اندازِ خرام کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔'' [۲۳]

Scanned with CamScanner

انگریزی ادب غنائی شاعری کثرت سے ہوئی ہے اس قسم کی شاعری کو انگریزی میں لریکل (Lyrical) شاعری کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسی شاعری میں حسن و عشق کے جذبات اور قلبی واردات کے بیان کو سمویا جاتا ہے۔ اُردو غزل کے ابتدائی دور میں غنائی شاعری کو اہمیت دی جاتی تھی۔ کلاسیکی شاعروں میں محمد قلی قطب، شاہ ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، خواجہ میر درد، مومن، غالب نے داخلی جذبات و احساسات کے ذریعے اپنے کلام میں غنائیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ غنائیت سے بھرپور شاعری ہمارے جذبات و شعور میں نزاکت پیدا کرتی ہے۔ زندگی کے واقعات کو رمز و کنایہ کی صورت میں اس انداز سے پیش کرتی ہے کہ ہم اس کو باطنی طور پر پہلے سے زیادہ بہتر سمجھنے لگتے ہیں۔ غنایت سے بھرپور شاعری انسان کے دل کے تار چھیڑنے اور حسرت و غم، حسرت و آرزو کی سچی اور جیتی جاگتی تصویریں ہمارے سامنے کھینچتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری موسیقیت اور غنائیت کی علمبردار ہے اور یہ اُن کے کلام کا فطری جوہر بھی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں سے چند مترنم اشعار کے نمونے ملاحظہ کیجیے:

؎ کیاری کیاری خالی ہے
گہری سوچ میں مالی ہے
رنگ سے وہ اُڑنے والا
آنکھ وہ بولنے والی ہے ۲۴

☆

؎ پھر کوئی ملال ہی غلط ہے
جب صورتِ حال ہی غلط ہے ۲۵

☆

؎ چاند اس ساتھ ستارہ مرے ساتھ
کوئی کرتا یہ نظارہ مرے ساتھ ۲۶

☆

؎ بیٹھ کر خوبیاں اپنی ہی نکالی جائیں
کیوں بھلا نیکیاں دریاؤں میں ڈالی جائیں ۲۷

Scanned with CamScanner

جمال احسانی جہاں سماجی شعور رکھتے ہیں وہاں ان کی شاعری میں غنائی پہلو کو بھی نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

جمال احسانی کی قلبی واردات اور اسلوب کی دلکشی نے ان کے اشعار میں تغزل اور ترنم پیدا کیا ہے۔ ان کے غزلیہ کلام میں دھیمے اور مترنم سروں میں قلبی واردات کی جھلکیاں نمودار ہوتی ہیں۔ جمال احسانی کی اکثر غزلوں میں ترنم اور موسیقی محسوس کی جا سکتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں احمد ندیم قاسمی اس طرح رقمطراز ہیں:

"نہ اجنبی ہے کوئی اور نہ آشنا کوئی
اکیلے پن کی بھی ہوتی ہے انتہا کوئی

جمال احسانی کے اس شعر کی بلاغت اس کی زندگی اور اس کی شاعری کا احاطہ کرتی ہے۔ جمال کے شاعرانہ سفر کی شناخت اس شعر میں پوشیدہ ہے۔" ۲۸

جمال احسانی کے کلام کی ایک خصوصیت ان کا استفہامیہ لب و لہجہ بھی ہے۔ انہوں نے بہت سی جگہوں پر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار سوالیہ انداز میں کیا ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں مختلف کلمات استفہام مثلاً کب، کس، کسے، اب، کیا، جیسا، کون، کوئی وغیرہ استعمال کئے ہیں جو نہ صرف کلام میں فصاحت و بلاغت اور معنویت پیدا کرتے ہیں بلکہ زندگی اور اس سے جڑے مسائل کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ سوال اٹھانا ایک مشکل امر ہوتا ہے لیکن جمال احسانی نے کلمات استفہام کی گہرائیوں اور لطافتوں کو شدت سے محسوس کیا یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں استعجابی فضاء اور حیرانی کا عنصر موجود ہے۔ استفہامی انداز قاری کو سوچ کے نئے زاویے عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں بصیرت کے کئی در وا کرتا ہے۔ جمال احسانی کے کلام میں استفہامیہ اشعار کثرت سے موجود ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ کب پاؤں فگار نہیں ہوتے کب سر میں دھول میں نہیں ہوتی
تری راہ پر چلنے والوں سے لیکن کبھی بھول نہیں ہوتی ۲۹

☆

؎ کسی سے بار غم اُٹھا کس نے کسے رسوا رکھا
بھول جا یہ گزری باتیں اب ان میں کیا رکھا ۳۰

Scanned with CamScanner

؎ کیا حوصلہ دیا ہے خدا نے پڑے پڑے
لیتا ہوں دشمنوں کے نشانے پڑے پڑے[۳۱]

☆

؎ کس کو سمجھاؤں بھلا مجھ کو جو یار افسوس ہے
منتظر ہوں تیرا میں اور انتظار افسوس ہے[۳۲]

☆

؎ کیا تماشا ہو سر کوچہ دلدار اگر
میرے جیسا کوئی نادان اُٹھانا پڑ جائے[۳۳]

جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ان کی قریبی دوست ڈاکٹر فاطمہ حسن اس طرح رقمطراز ہیں

''جمال کی شعری طاقت اس کی سچائی ہے۔ شاعری میں اس نے سمجھوتا نہیں کیا۔ روایت کے زیراثر آیا نہ ترقی پسندی اور جدیدیت کو فیشن کے طور پر اپنایا۔ جو لکھا اپنے لئے لکھا۔'' [۳۴]

خوبصورت تراکیب ہر شاعر کے کلام میں تاثیر پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں خاص طور پر یہ عمدہ اور دلکش لفظیات و تراکیب شاعر کا خاص سرمایہ ہوا کرتے ہیں۔ تراکیب سازی شاعر کی لسانی بصیرت اور شعور کو ظاہر کرتی ہے۔ اچھا شاعر اس سے خوب کام لیتا ہے۔ الفاظ اس کے سامنے کچی مٹی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کی فنی خوبی یہ ہے کہ خوشگوار اور لطیف تراکیب اور ان تراکیب کے نرم رو، سبک اور لطافت سے بھرپور الفاظ، خاص ربط اور منطقی تسلسل رکھتے ہیں۔ انہوں نے جہاں کلاسیکی تراکیب کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے وہاں نئی تراکیب سے بھی اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔ انہوں نے جو تراکیب استعمال کی ہیں ان میں کارِ محبت، ترکِ سکونت، نقلِ مکانی، دشمنِ جاں، چراغ، فروزاں، آوارگانِ شام، بے طاقتیِ، سرِ لوح، عکسِ رنگ، چراغِ آرزو، ترکِ تعلق، حقِ شناسائی وغیرہ شامل ہیں جن سے نہ صرف شعری حُسن میں اضافہ ہوا ہے بلکہ ابلاغ کی ترسیل میں بھی آسانی پیدا ہو گئی ہے۔

جمال احسانی نے اپنی غزلیہ شاعری میں خوبصورت و منفرد تراکیب کا استعمال کر کے اس میں معنویت کے کئی در وا کیے ہیں۔ اُردو شاعری میں ''زیر اضافت'' بہت اہم سمجھی جاتی ہے اور اسے عروض میں بھی اہمیت حاصل ہے۔ جمال احسانی کے اشعار میں الفاظ تراکیب کا استعمال برمحل ہوا ہے۔ ان کی تراکیب سازی جدت اور

Scanned with CamScanner

انفرادیت کی حامل ہے۔ ان کے کلام میں حسین اور معنی آفریں لفظی تراکیب جابجا دامنِ دل کو کھینچتی ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

ے کچھ تو مشکل ہے بہت کارِ محبت اور کچھ
یار لوگوں سے مشقت نہیں کی جا سکتی ۳۵

☆

ے کوئی پُرساں ہی نہ ہم دل زدگان کا نکلا
شہر کا شہر اسی دشمنِ جاں کا نکلا ۳۶

☆

ے میرے گھر میں اندھیرا نہیں ہے صرف جمالؔ
کوئی چراغ فروزاں کسی کے ہاں بھی نہیں ۳۷

☆

ے بہت میں رویا ہوں بے طاقتیِ چشم پہ رات
تیرا خیال نہ جب میرے خواب سے اُٹھا ۳۸

☆

ے جلتی رہی شمع چشم جاناں
کہتا رہا عکسِ رنگ لب کچھ ۳۹

☆

ے مر گئے لیکن ترے آنے کی امیدیں رکھیں
بجھ گئے لیکن چراغِ آرزو جلتا رکھا ۴۰

☆

ے ہم اُس سے ترکِ تعلق کے بعد سوچتے ہیں
کسے سلام کریں کسے دعا دیں گے ۴۱

☆

Scanned with CamScanner

پہچان تو لیا ہے جمالؔ اُس نے دیکھ کر
اور اب ادا وہ حقِ شناسائی کیا کرے[۴۲]

مندرجہ بالا اشعار میں ''کارِ محبت، دشمنِ جاں، چراغ فروزاں، بے طاقتیِ چشم، عکسِ رنگ، چراغِ آرزو، ترکِ تعلق، حقِ شناسائی'' جیسی تراکیب میں زیر اضافت کے استعمال نے شعروں کے وزن اور مفہوم کو واضح کرنے میں مدد دی ہے۔ اس طرح کی کئی تراکیب جمال احسانی کی شاعری میں نظر آتی ہیں۔ غنائیت اور ترنم شاعری میں خوبصورتی اور روانی پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کسی شاعر کی طبیعت کی روانی کا بھی پتہ دیتی ہیں۔

جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں ان کے دوست جاوید صبا اپنے مضمون ''جمال احسانی تلاش اور حیرت کے سائبان تلے'' میں اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''جمال احسانی اپنے تجربات و مشاہدات کے اظہار کے لئے کلاسیکی روایت سے انحراف کرتا ہوا ذرا کم ہی نظر آتا ہے۔ اس کے ہاں عصری پس منظر میں زبان کی تراش خراش، الفاظ کے حُسن، موزونیت و مناسبت، بندش کی چستی، تراکیب کی دل آویزی اور محاورات کی برجستگی کا جداگانہ استعمال نظر آتا ہے۔'' [۴۳]

جمال احسانی نے شاعری میں صنعت مراعات النظیر کا استعمال بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔ اس صنعت کا تعلق بھی علم بدیع سے ہے۔ صنعت مراعات النظیر کا استعمال اُردو شاعری میں کلاسیکی دور سے جاری ہے۔ اس صنعت میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن کے معنوں میں ایک خاص نسبت اور تعلق ہوتا ہے۔ ایک ہی نظیر کے الفاظ کو چابک دستی کے ساتھ اشعار میں سمو دیا جاتا ہے۔ شاعری کا حُسن جن شاعرانہ وسائل سے ارفعیت حاصل کرتا ہے ان میں صنعت مراعات النظیر سرفہرست ہے۔ مولوی نجم الغنی اپنی کتاب ''بحر الفصاحت'' میں اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ''اس کو صنعتِ تناسب اور توثیق اور ایساف و تلفیق بھی کہتے ہیں یعنی ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معانی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سوائے تضاد کے کچھ اور مناسبت رکھتے ہوں جیسے چمن کے ذکر کے ساتھ سوائے نسبت تضاد کے کچھ اور مناسبت رکھتے ہوں جیسے چمن کے ذکر کے ساتھ گُل و بلبل و باغبان و سرو و قمری وغیرہ کا ذکر کرنا۔'' [۴۴]

Scanned with CamScanner

جمال احسانی نے اپنی شاعری میں صنعت مراعات النظیر کو بعض مقامات پر بہت خوبصورتی سے استعمال کرکے اپنی شاعری میں تاثیر پیدا کی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ ایک قدم خشکی پر ہے اور دوسرا پانی میں
ساری عمر بسر کر دی ہے نقل مکانی میں[۴۵]

☆

؎ خوشبو گلاب میں خوش پتا شجر میں خوش ہے
جو بھی ہے اپنے دیوار و در میں خوش ہے[۴۶]

☆

؎ زندگی اور موت یکساں ہیں اگر
درمیان پھر سانس کا جھگڑا کیوں[۴۷]

☆

؎ ان پودوں کو کس دریا کے پانی نے سراب کیا
ایک ہی پھول میں رنگ سے خوشبو سات سمندر پار ہوئی[۴۸]

☆

؎ سمندروں کا سفر آج تو مزا دے گا
ہوا بھی تیز کشتی بھی بادبانی ہے[۴۹]

جمال احسانی کی غزل اس صنعت سے عاری نہیں ہے۔ انہوں نے اس کاریگری کا خوب استعمال کیا ہے جس سے اشعار میں فنی پختگی نظر آتی ہے۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں عہد حاضر کے نامور شاعر جناب ظفر اقبال اس طرح رقمطراز ہیں:

''۷۰ء کے عشرے میں جو نوجوان شعراء کا گروپ کراچی میں سامنے آیا جمال احسانی اس کا سرخیل تھا۔ سجاد میر کے بقول اس کے اندر ایک سہ طرفہ جنگ ہمیشہ جاری رہی یعنی ظفر اقبال کا تخلیقی وفور، مشاعروں میں احمد فراز کی سی مقبولیت کی خواہش اور سلیم احمد کی فکری گہرائی یہ تینوں عناصر اس کے ہاں بدرجہ اَتم موجود تھے۔ جمال کا ذریعہ

Scanned with CamScanner

اظہارغزل ہے۔اس کی غزل میں کائنات کے وسیع مسائل کو جس انداز میں بیان کیا
گیا ہے یہ بات اسے اس کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔'' ۵۰؎

صنعت تضاد سے مراد کلام میں دو یا دو سے زائد ایسے الفاظ ہیں جو معنی طور پر ایک دوسرے کے مخالف اور برعکس ہوں جیسے آگ اور پانی، دھوپ اور چھاؤں، سرد اور گرم اور سودِ زیاں وغیرہ تضاد کی عام فہم مثالیں ہیں۔

ادبی اعتبار سے تضاد کلام کا ایسا حُسن ہے جو متضاد الفاظ کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے اور اس سے کبھی کبھی غیر سنجیدہ صورتِ حال پیدا ہوتی ہے جس سے کلام کے تاثر اور تفہیم کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جمال احسانی اپنے کلام میں صنعت تضاد کا استعمال بڑے تواتر کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایک ہی شعر میں دو متضاد کیفیات کے ذکر سے قاری کو شاعر کے تخیل تک رسائی آسانی سے ملتی ہے۔ قاری اس شعر کو جلد سمجھ جاتا ہے۔ جمال احسانی کے کلام میں صنعت تضاد کے اشعار دیکھئے:

؎ رات سونے کے لئے دن کام کرنے کے لئے
وقت ملتا ہی نہیں آرام کرنے کے لئے ۵۱؎

☆

؎ اُس کو تو جیت دیکھنا یا ہار دیکھنا
مجھ کو مگر لڑائی کا معیار دیکھنا ۵۲؎

☆

؎ جسے صبح و شام اپنا کہتے رہیں
حقیقت میں بالکل نہیں ہے عیاں ۵۳؎

☆

؎ یہ حوصلہ تجھے جیت کر نصیب ہوا
وگرنہ ہار کے کس نے شکست مانی ہے ۵۴؎

☆

Scanned with CamScanner

؎ اِک آدمی کی رہائی سے بھی ہو جاتا
جو شہر بھر کی گرفتاریوں کے بعد ہوا۵۵

☆

؎ یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے۵۶

جمال احسانی نے صنعت تضاد کو اشعار میں بڑی سہولت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔شعر میں الفاظ کے تکرار سے پُرلطف کیفیت پیدا ہوتی ہے۔صوتی تکرار سے غنائیت اور موسیقیت جنم لیتی ہے۔ اس صنعت کو بھی غزل میں بہت استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ہی لفظ کو دہرانے سے ترنم پیدا ہوتا ہے۔ الفاظ کی ترتیب و آہنگ اور مترنم بحروں سے شعر میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔ جمال احسانی کی غزلوں میں صنعت تکرار کی عام مثالیں ملتی ہیں جن میں مترنم کیفیت بھی پائی جاتی ہے قاری جس سے محظوظ بھی ہوتا ہے اور شاعر کے فکر وفن سے آشنائی بھی حاصل کرتا ہے۔ جمال احسانی نے اپنی شاعری میں صنعت تکرار کے ذریعے حسن موسیقی اور نغمگی پیدا کی ہے۔ اس صنعت کا بھرپور اور نمایاں روپ ہمیں ان کے کلام میں ملتا ہے۔صنعت تکرار کے اشعار کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ آنگن آنگن شمع خیال یار جلے
رات آئی اور لوگ ستارہ وار جلے۵۷

☆

؎ کسی بھی دشت کسی بھی نگر چلا جاتا
میں اپنے ساتھ ہی رہتا جدھر چلا جاتا۵۸

☆

؎ گھر اپنا نہیں گھر کی فضا اپنی نہیں ہے
چلتی ہے یہاں جو وہ ہوا اپنی نہیں ہے۵۹

☆

Scanned with CamScanner

؎ آخر آخر یہی سمجھ پائے
جس جگہ بھی ہیں بے سبب ہیں ہم[۶۰]

☆

؎ نفرت نہ دی مجھے کہ محبت نہ دی مجھے
اُس نے کسی بھی طرح زحمت نہ دی مجھے[۶۱]

☆

؎ ترے وصل کی آس بدلتے ہوئے ترے ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے
کب دل مصروف نہیں رہتا کب جاں مشغول نہیں ہوتی[۶۲]

جمال احسانی نے صنعت تکرار کو اتنی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ ان کی شاعری عام فہم اور دل میں اتر جانے والی شاعری بن کر سامنے آتی ہے۔ سادہ مگر پُراثر یہ وہ شاعری ہے جس سے اُردو شاعری کے زندہ رہنے کے امکانات ختم نہیں ہوتے۔ جمال احسانی اتنی خوبصورتی سے شعر بنتے ہیں کہ قاری کا ذہن مسلسل اثرانداز ہوتا رہتا ہے۔ جمال احسانی نے اپنے ذاتی تجربات محسوساتِ زندگی سے شکوہ ہو یا کوئی محرومی سب اس طریقے سے اپنی شاعری میں سمو لیتے ہیں کہ قاری ان کے طلسم سے نکل نہیں پاتا۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں عہد حاضر کے نامور شاعر سعود عثمانی اس طرح رقمطراز ہیں ''میں جمال احسانی کی شاعری پڑھتا گیا اور نیلی جھیل میں اترتا گیا جس کے اندر بہت سکوت اور سکون تھا۔ اس سے یکدم باہر آنا کسی دوسری دُنیا سے باہر آنا تھا۔ جو بھی اس جھیل میں اترتا ہے اترتا ہی چلا جاتا ہے۔'' [۶۳]

تلمیح سے مراد کلام میں کسی تاریخی، مذہبی، معاشرتی واقعہ، سانحہ یا روایت کی طرف اشارہ کرنا کہ قاری کا ذہن اس قصہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ تلمیح، علم بدیع میں بڑی اہمیت رکھتی ہے جس سے شعر میں دلکشی اور رعنائی پیدا ہوتی ہے۔ تلمیحی الفاظ تہذیب معاشرت میں رائج ہو چکے ہوتے ہیں جس سے قاری خوب لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جمال احسانی کی غزلوں میں تلمیح کا استعمال برجستگی کے ساتھ ہوا ہے۔ چند شعر دیکھئے جن میں جمال احسانی تلمیحات استعمال کر کے شعری مضامین کو کس طرح ندرت بخشی ہے۔

؎ گر امتحان جُنوں میں نہ کرتے قیس کی نقل
جمالؔ سب سے ضروری سوال رہ جاتا[۶۴]

Scanned with CamScanner

؎ ستارہ و جبریل سے سرسری گزر کے
رُکی بالآخر نگاہ آئینہ دار مجھ پر[۶۵]

☆

؎ قیس و فرہاد کی تڑپ حق
میں نے تو صبر آزمائی کی[۶۶]

تلمیح میں اگرچہ دو الفاظ ہوتے ہیں مگر ان کی تہہ داری میں کافی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ تلمیح سے پورے واقعہ کا پس منظر ذہن میں آ جاتا ہے۔ جمال احسانی کا کلام ایسا حسین پیکر ہے جس میں الفاظ ستاروں کی مانند جگمگا رہے ہیں۔ جس میں ظاہری اور باطنی دونوں خوبصورتیاں موجود ہیں جو ان کے فنی شعور کی دلیل ہے۔ اس التزام سے ان کے کلام میں دلچسپی، رفعت تخیل، ندرتِ خیال، لطافت، اچھوتا پن اور جدت پیدا ہوتی ہے۔ جمال احسانی نے اپنی غزلوں میں انگریزی الفاظ بھی شامل کئے ہیں۔ اُردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال اکثر شعراء نے کیا ہے تاہم ایسے انگریزی الفاظ کا استعمال ضروری ہے جن کے اندر ایک خاص رچاؤ ہو یا وہ ہمارے روزمرہ کی گفتگو کا حصہ ہوں۔ اس ضمن میں جمال احسانی کے اشعار ملاحظہ کیجئے:

؎ اب اسٹیشن پہ کس کو ڈھونڈتے ہو
جمالؔ احسانی کب کا جا چکا ہے[۶۷]

☆

؎ اُس ایک چھوٹے سے قصبے پہ ریل ٹھہری نہیں
وہاں بھی چند مسافر اُترنے والے تھے[۶۸]

شاعری میں شاعر اپنی ذات اور شخصیت کو بالاتر سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اس سے بڑا کوئی دوسرا شاعر نہیں۔ یہ احساسِ برتری اچھی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں بھی یہ احساس کہیں نہ کہیں ضرور سامنے آتا ہے۔

؎ ذرا بیاں کا سلیقہ نہیں ہے یاروں کو
اور اس پہ خواب ہماری غزل کے دیکھتے ہیں[۶۹]

☆

Scanned with CamScanner

ے چاہے جمالؔ دوسرے ہی کی زمین ہو
ہم نے جب سنائی ہے اپنی سنائی بات•ے

☆

ے دُنیا جمالؔ کچھ بھی کہے جانتا ہوں میں
سارا سفر ہے میرا غزل کی تلاش میں اے

اُردو غزل میں اوزان و بحور کے مباحث اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں بحروں اور اوزان کا فنی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ غزلیہ شاعری میں شعر کے دونوں مصرعے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے ان میں برتی گئی بحر کے اوزان بھی اسی مناسبت سے کم ہوں گے تاہم نثری نظم کے علاوہ اُردو شاعری کی تمام اصناف میں اوزان و بحور کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عنوان چشتی اس طرح رقمطراز ہیں:

''اُردو شاعری کی مخصوص اور متعین صورت کا نام بحر ہے۔ بحر کی بنیاد رکن پر ہوتی ہے۔ ہر ایک رکن کا ایک مخصوص وزن ہوتا ہے۔ عروضی اصلاح میں دو قلموں ''حرکت وسکون'' کے مساوی ہونے کو وزن کہا جاتا ہے۔ ارکان کی تعداد دس ہے انہی کے الٹ پھیر اور زحافات کے عمل سے نئے ارکان بنتے ہیں اور ارکان کی مختلف تعداد اور ترتیب سے نئے اوزان وجود میں آتے ہیں۔'' ۲ے

جمال احسانی کی شاعری عروضی اعتبار سے کافی مضبوط ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مفاعلن، فعلاتن، مفاعلین جیسے ارکان کو کثرت سے شعری پیکروں میں استعمال کیا ہے۔ جمال احسانی نے بحر محبث ثمن مخبون محذوف کے ارکان اپنے تخلیقی اظہار کے لئے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ انہوں نے اکثر جگہوں پر ان کا استعمال کیا ہے۔

شاعری میں بحروں کی اہمیت مسلم ہے۔ وزن اور بحر کے بغیر شعر کہنا ممکن نہیں۔ جمال احسانی کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مترنم بحروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ انہیں چھوٹی اور بڑی بحروں میں شعر کہنے میں کمال حاصل ہے۔ چھوٹی بحر میں اپنا مدعا بیان کرنا دشوار ہوتا ہے کیونکہ کہ الفاظ میں اپنا خیال قاری تک پہنچانا ہوتا ہے مگر جمال احسانی نے کمال مہارت سے چھوٹی بحروں میں خوبصورت اشعار تخلیق کئے ہیں اور بڑی بحروں کو بھی احسن طریقے سے نبھایا ہے۔ چھوٹی بحر میں کہی گئی غزلیں ذاتی اور اجتماعی زندگی کی عکاسی بھی ہیں گویا جمال احسانی

Scanned with CamScanner

چھوٹی بحر کا استعمال کر کے تخلیق کار ہونے کی پوری گواہی دی ہے۔ وہ اپنے موضوع اور مزاج کے مطابق سادہ رواں دواں اور خوش آہنگ بحروں کا استعمال کرتے ہیں۔ چھوٹی بحر کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

؎ سمندروں کے درمیان سو گئے
تھکے جہاز ران سو گئے
پھر آج اِک ستارہ جاگتا رہا
پھر آج سات آسمان سو گئے[۳]

☆

؎ کیاری کیاری خالی ہے
گہری سوچ میں مالی ہے
اُکتا کر تنہائی سے
اِک تصویر بنا لی ہے[۴]

☆

؎ جیسے بھی ہوں ادب آداب دیکھ سکتا ہے
کوئی بھی شخص ترا خواب دیکھ سکتا ہے
تری نگاہ سے دُنیا کو دیکھنے والا
چراغ کو پس محراب دیکھ سکتا ہے[۵]

صرف چھوٹی بحر ہی ان کی شاعری کا حصہ نہیں بلکہ انہوں نے بڑی بحر میں بھی خوبصورت اشعار کہے ہیں۔ بڑی بحر میں چند غزلوں کے اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ ایک فقیر چلا جاتا ہے پکی سڑک پر گاؤں کی
آگے راہ کا سناٹا ہے پیچھے گونج کھڑاؤں کی
آنکھوں آنکھوں ہریالی کے خواب دکھائی دینے لگے
ہم ایسے کئی جاگنے والے نیند سوئے صحراؤں کی[۶]

☆

Scanned with CamScanner

؎ کب پاؤں فگار نہیں ہوتے کب سر میں دھول نہیں ہوتی
تری راہ پر چلنے والوں سے لیکن کبھی بھول نہیں ہوتی
سر کوچہ عشق آ پہنچے ہو لیکن ذرا دھیان رہے کہ یہاں
کوئی نیکی کام نہیں آتی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی ۷۷

محاورہ محض لطف زبان یا آرائشی طرزِ اظہار کا بنیادی وسیلہ نہیں ہے بلکہ یہ اجتماعی انسانی بصیرت، ثقافتی وژن اور تصورِ کائنات کا مرتکز ایک ایسا جملہ ہوتا ہے جس کی تازہ کاری پہ گردشِ ایام اثرانداز نہیں ہوتی ہے۔ محاورے، بصیرت، صداقت، اخلاقی اور روایتی اقدار کی گونج سے عبارت ہوتے ہیں اور ان میں تلقین فہمائش اور اخلاقی اقدار کی ترویج کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ محاورات، عبارت اور شعر کو دلکش اور مؤثر بناتے ہیں اور تفہیم کے لئے آسانی پیدا کرتے ہیں اور حُسنِ کلام کو بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جمال احسانی کے کلام میں محاورات نگینے کی طرح جڑے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ محاورات قصداً شامل نہیں کئے گئے بلکہ خودبخود آمد کی رو میں نوک قلم پر آگے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ رونق شہر بھی صحرا کی فضا لگتی ہے
دل تو وہ بات کہے گا جو خدا لگتی ہے ۷۸

☆

؎ چراغ بجھتے چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے ۷۹

☆

؎ یوں نہ ہو بول پڑوں میں تری خاموشی پر
تجھے بزم سے مہمان اُٹھانا پڑ جائے ۸۰

جمال احسانی کی شاعری میں محاورات کی برجستگی کا جداگانہ استعمال نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں جاوید صبا اپنے مضمون ''جمال احسانی تلاش اور حیرت کے سائبان تلے'' میں لکھتے ہیں:

''محاورات کی برجستگی اور بندش کی دل آویزی کی اہمیت سے قطع نظر تخلیقی جمالیات کی اپنی زبان ہوتی ہے جو نامانوس ہوتے ہوئے بھی اجنبی معلوم نہیں ہوتی۔ جمال احسانی

Scanned with CamScanner

کا یہ گوشہ بیشتر شعراء کی طرح نسبتاً کم نمو پذیر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جمال
احسانی اس انکشاف سے باخبر ہے اور ہمیشہ اسی تگ و دو میں لگا رہتا ہے کہ جو ظاہر
نہیں ہے وہ کہاں پوشیدہ ہے؟'' ۸۱

شاعر الفاظ کے ذریعے اپنے تجربات اور جذبات کو لفظی تصویروں کی صورت میں پیش کرتا ہے اسے امیجری یا تمثال کاری کہا جاتا ہے۔ عقیل احمد صدیقی اپنی کتاب ''جدید اُردو نظم: نظریہ و عمل'' میں امیجری کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''امیجری کا سیدھا سادہ مفہوم لفظوں کے ذریعے تصویر کشی ہے۔ یہ تصویر کشی ہر دور میں شعری اظہار کا مخصوص وسیلہ رہی ہے۔'' ۸۲

ڈاکٹر محمد افتخار شفیع اس کی وضاحت اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

''سراپا، پیکر، تمثال یا امیج شاعر کے متخیلہ یا تصویر سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتا بلکہ شعری عمل کے دوران ایک واضح شبیہ اُبھرتی ہے جو قرأت کے بعد مجسم شکل اختیار کر لیتی ہے۔ سراپا مشاہدے اور تجربے کی معنی خیز صورت میں کسی شخصی حالت کا آنکھوں کے سامنے تصویری شکل میں ابھر آنے کا عمل ہے۔ سراپا نگاری کے لئے پیکر تراشی، تمثال نگاری، محاکات نگاری اور تصویریت وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ لفظوں کے تال میل اور خوبصورت دروبست سے ابھرنے والی شبیہیں ہوتی ہیں جو ایک واضح یا قدرے مبہم انداز میں قاری تک پہنچتی ہیں۔'' ۸۳

امیجری کی دو قسمیں زیادہ نمایاں ہیں۔ بصری امیج اور سماعی امیج۔ جب لفظوں کے ذریعے شاعر ایسی تصویر مرتب کرے جس کا تعلق دیکھنے سے ہو تو اسے بصری امیج کہا جاتا ہے۔ امیج کی دوسری قسم کا تعلق سماعت سے ہے۔ اس کے علاوہ حسیاتی اور حرکی امیجز کا استعمال بھی شاعری میں مل جاتا ہے۔ جمال احسانی کے کلام میں تمثال کاری کی ان تمام قسموں کا استعمال نظر آتا ہے۔ وہ اپنے مشاہدے سے تمثال کاری کا عمل بروئے کار لاتے ہیں اور کبھی تخیل آمیزی کرنے سے ایسی تمثالیں پیش کرتے ہیں جو جذباتی سطح پر بہت مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ جمال احسانی کے کلام میں تمثال کاری کا عمل ملاحظہ کیجیے:

؎ تمام تیشہ بدست حیرت میں گم ہوئے ہیں
چراغ سے کاٹ دی ہوا کی چٹان میں نے ۸۴

☆

Scanned with CamScanner

؎ اِک کشتی کا بوجھ ہے گہری نیند سے بوجھل لہروں پر
دل میں دریا پار اُترنے کی خواہش بیدار ہوئی ۸۵

☆

؎ دل عبث آرزوئے خاک میں پہنچا تہِ آب
عکس کا سیر و سیر موجِ رواں کا نکلا ۸۶

☆

؎ اِک دیا سانس لیتا رہا دھوپ کی زد پہ بھی
اِک پھولوں کی بیل آندھیوں میں سنبھلتی رہی ۸۷

☆

؎ میں بوندا باندی کے درمیان اپنے گھر کی چھت پر کھڑا رہا ہوں
چراغ تھا کوئی جس کے ہمراہ رات بھر بھیگتا رہا ہوں ۸۸

☆

؎ ہر ستارے کا مقدر ٹوٹنا تھا
آسمان بچوں کی طرح رو رہا تھا ۸۹

☆

؎ اِک پرندہ ہوا آب و دانے کی خواہش میں گم
اِک ٹہنی کے دکھ میں ہوا ہاتھ ملتی رہی ۹۰

بعض اشعار صرف اشعار نہیں ہوتے پورا منظر ہوتے ہیں۔ جمال احسانی نے تخیل کی نزاکتیں شعری پیرائیوں میں بڑے منفرد انداز سے بیان کی ہیں۔ ان کی تمثال کاری میں تازگی اور تنوع ہے جو ان کی شاعری کو مزید نکھارنے کا سبب بنتی ہیں۔ جمال احسانی کی امیجری میں ندرت اور انفرادیت جھلکتی ہے۔ وہ اپنی امیجری میں شاعرانہ فضاء پیدا کرنے میں کامیاب ہیں۔ جمال احسانی کی شاعری کے بارے میں شکیل عدنان اس طرح رقمطراز ہیں:

''میں بہت سے شاعروں سے ملا ہوں جن میں معروف اور غیر معروف دونوں قسم کے

Scanned with CamScanner

شاعر شامل ہیں۔ ان میں سے بعض شاعر کلام سننے اور سنانے کی حد تک شاعر ہیں اور کچھ وقت اور ضرورت کے تقاضوں کے مطابق خود پر شاعری طاری کرنے یا لادنے والے گویا جز وقتی شاعر۔ جمال احسانی جز وقتی تھے نہ کل وقتی۔ وہ بس شاعر تھے اور بھرپور شاعر۔ جمال بیک وقت بہت تلخ اور بہت شیریں شاعر ہے اور یہ دونوں رویے اس کے ہاں بڑی تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں۔ وہ جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ کہتا ہے۔ محبت سے محبت اور نفرت سے نفرت کرتا ہے۔ اس کی شاعری میں بھرپور تازگی، گہرائی اور ندرت ہے۔ اس کا تمام کلام شعری جمالیات سے مزین ہے۔'' ۹۱

علم بیان میں زیادہ اہمیت تشبیہ اور استعارہ کی ہے جو ایک اچھے شعر کے لئے ازحد ضروری ہیں۔ جمال احسانی نے بھی اپنے اشعار کو خوبصورت بنانے کے لئے تشبیہات کا سہارا لیا ہے اور ایسی تشبیہات استعمال کی ہیں جن میں ندرت بھی ہے اور روایت کی پاسداری بھی۔ ان تشبیہات سے ان کے کلام میں معنوی سطح پر بھی نکھار پیدا ہوا ہے۔ جابر علی سید تشبیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں ''تشبیہیں تصویریں ہیں، ان کا کینوس وسیع ہے، یہ نظر کو زیادہ وسیع کرتا ہے۔'' ۹۲

تشبیہ کے بارے میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

> ''یہ علم بیان کی ایک شاخ ہے جس کا مطلب ہے دو اشعار میں مشابہت تلاش کرنا۔ ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں اور قرینوں سے بیان کرنے کے لئے کچھ قاعدے اور ضابطے وضع کئے گئے ہیں ان قرینوں میں ایک قرینہ تشبیہ کا بھی ہے اور اس کا تعلق علم بیان کے خاندان سے ہے۔ تشبیہ انسانی کلام کی ایسی خصوصیات ہے جو کائنات کے متشابہتی رشتوں کو تلاش کرتی ہے۔'' ۹۳

جمال احسانی کے کلام میں بہت سے مقامات پر بڑی خوبصورت تشبیہات استعمال ہوئی ہیں جو ان کے شعر کی خوبصورتی کو بڑھاتی ہیں اور ان کے برمحل استعمال سے الفاظ کے معنی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ان کے کچھ اشعار میں تشبیہات دیکھئے:

؎ جو آسمان پہ ستارے دکھائی دیتے ہیں
یہ سارے پھول ہیں تیرے یہ زخم سب میرے ۹۴

☆

Scanned with CamScanner

؎ وہ جس منڈیر پر چھوڑ آیا اپنی آنکھیں میں
چراغ ہوتا تو لو بھول کر چلا جاتا[۹۵]

☆

؎ رونق شہر بھی صحرا کی فضاء لگتی ہے
دل تو وہ بات کہے گا جو خدا لگتی ہے
چڑھتے سورج کی پرستش ہی پہ موقوف نہیں
صبح کے وقت تو ہر چیز خدا لگتی ہے[۹۶]

☆

؎ کاش میں تجھ پہ ریاضی کے سوالوں کی طرح
خود کو تقسیم کروں کچھ بھی نہ حاصل آئے[۹۷]

☆

؎ آنکھوں میں اشک نام کی شے تک نہیں رہی
جھیلیں بھی اب ترستی ہیں پانی کے واسطے[۹۸]

☆

؎ دیوار و در پہ دھوپ چڑھی بیل کی طرح
کن منزلوں کی سمت یہ لشکر روانہ ہے[۹۹]

☆

؎ وہ آنکھ چپکے سے یوں دل کے بھید کہہ جائے
کہ جیسے بات کوئی یاد آ کے رہ جائے[۱۰۰]

☆

؎ یوں گزرتا ہے بس اب دل سے ترے وصل کا دھیان
جیسے پردیس میں تہوار گزر جاتا ہے[۱۰۱]

جمال احسانی کے کلام میں موجود تشبیہات ان کی فنی بصیرت کا ثبوت ہیں۔ انہوں نے تشبیہ کے حسن کو

Scanned with CamScanner

فکری رو کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کر دیا ہے کہ کلام حسن و تاثیر کا مجسم اظہار بن جاتا ہے۔

جمال احسانی نے استعارے کے ذریعے بھی اپنے مفاہیم کو صریح انداز میں پیش کیا ہے۔ استعارہ میں لفظ اپنے لغوی معنی ترک کر کے لسانی سیاق و سباق کے اعتبار سے نئے معنی اختیار کرتا ہے جس سے کلام میں ندرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں اُردو غزل میں استعارے کے متعلق لکھتے ہیں ''استعارہ ایک طرح کا پس منظر مہیا کرتا ہے جس پر شاعر کی بصیرت حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔'' ۱۰۲

تشبیہ کی طرح استعارہ بھی اہم سمجھا جاتا ہے۔ استعارہ اور علامت کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ استعارہ کے بارے میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں ''استعارہ علم بیان کی اصطلاح ہے جس کا معنی اُدھار لینا ہے۔ کسی شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا استعارہ ہے۔ لفظ کو مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو استعارہ کہلاتا ہے۔'' ۱۰۳

جمال احسانی نے بھی ان استعارات سے اپنے کلام کو مرصع کر کے پیش کیا ہے۔ یہ استعارے ان کے اشعار کو نہ صرف جاذبیت عطا کرتے ہیں بلکہ فکری اور معنوی سطح پر بھی بلند کرتے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

؎ ایک چراغ ہوں مٹی کا
دور دراز اندھیرے میں ۱۰۴

☆

؎ عجب اندھیری رات کا نظارہ تھا
زمین آنکھ تھی فلک ستارہ تھا ۱۰۵

☆

؎ چاند اس کے ساتھ ستارہ میرے ساتھ
کوئی کرتا یہ نظارہ مرے ساتھ ۱۰۶

شاعری میں تشبیہات و استعارات کا استعمال ایک فطری عمل ہے۔ شاعر ان کے ذریعے اپنے کلام کو رنگین بناتا ہے۔ جمال احسانی نے بھی اپنی شاعری میں تشبیہات و استعارات سے خوب مزین کیا ہے۔ ان کے کلام میں یہ ہیرے جواہرات کی طرح نظر آتے ہیں جس سے ان کے فن میں چمک دمک پیدا ہوتی ہے۔

ردیف و قافیہ غزلیہ شاعری کا اہم ترین حصہ ہے۔ جمال احسانی کی شاعری میں ردیف و قافیہ کا

Scanned with CamScanner

خوبصورت استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ اپنی غزلوں میں قافیہ ردیف سے ایک خوبصورت توازن قائم کرتے ہیں۔ ردیف کے بارے میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں ''یہ علم شعر کی اصطلاح ہے جس کا مطلب سوار کے پیچھے بیٹھنے والا شخص ہے۔ شعر کے مصرعوں میں بار بار آنے والا لفظ ردیف کہلاتا ہے۔'' ۱۰۷

اُردو غزل میں قافیہ اور ردیف کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے لیکن قافیہ غزل کے شعر کے لئے ضروری ہے کہ ردیف کے بغیر بھی شعر ہو سکتا ہے۔ جن غزلوں میں ردیف استعمال نہیں کی جاتی انہیں غیر مردف غزل کہتے ہیں جبکہ قافیہ غزل کے سفر کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ قافیہ کے بارے میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں ''یہ ایک شعری اصطلاح ہے۔ شعر میں ردیف سے پہلے جو لفظ Rythem پیدا کرتا ہے اسے قافیہ کہتے ہیں۔'' ۱۰۸

جمال احسانی کی شاعری میں ردیف و قافیہ کا برمحل استعمال ان کے اشعار کو خوبصورتی عطا کرتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ نہ کوئی فال نکالی نہ استخارہ کیا
بس ایک صبح یونہی حلق سے کنارہ کیا ۱۰۹

☆

؎ چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا
یہ سانحے میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا ۱۱۰

☆

؎ عشق میں خود سے محبت نہیں کی جا سکتی
ہر کسی کو یہ نصیحت نہیں کی جا سکتی ۱۱۱

☆

؎ تو میری کھوئی ہوئی نشانی کے سوا کچھ بھی نہیں
میں تری یاد دہانی کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۱۲

☆

؎ کوئی بھی مشکل ہو یا نام کوئی یاد نہ تھا
عجیب شام تھی اُس شام کوئی یاد نہ تھا ۱۱۳

Scanned with CamScanner

ملنا نہیں تو اسے یاد کرنا بھی چھوڑ دے ؎

دیوار چھوڑ دی ہے تو سایہ بھی چھوڑ دے[۱۱۴]

مندرجہ بالا اشعار میں استخارہ کنارا، مکان، گمان، محبت، نصیحت، نشانی، یاددہانی، نام، شام جیسے قافیے ان کی جدتِ طبع کے عماز ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا اشعار میں ''میں بھی نہ تھا، نہیں کی جا سکتی، کے سوا کچھ بھی نہیں، کوئی یاد نہ تھا، سبھی چھوڑ دے'' جیسی ردیفیں ان کے اشعار کی دلکشی کا باعث بنتی ہیں۔ جمال احسانی کی متعدد غزلیں انہی ردیفوں میں سے ہیں۔ جمال احسانی کا کلام ایک ایسا حسین پیکر ہے جس میں الفاظ ستاروں کی مانند جگمگا رہے ہیں جس میں ظاہری و باطنی دونوں خوبصورتیاں موجود ہیں جو ان کے گہرے فنی شعور کی دلیل ہے۔ اس التزام سے ان کے کلام میں دلچسپی، رفعت تخیل، ندرتِ تخیل، ندرتِ خیال، لطافت، اچھوتا پن اور جدت پیدا ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمال احسانی کا مجموعہ کلام شعری وفنی صلاحیتوں کا ایسا آئینہ ہے جس میں فکر وفن کے دلکش خدوخال دیکھے جا سکتے ہیں۔ خیالات کے اظہار کے لئے مؤثر لہجہ، جذبات کی ترجمانی کے لئے الفاظ کا حُسنِ انتخاب، زبان کی سلاست و شگفتگی اور غنائیت، موثر لفظیات و تراکیب اور بدیع و بیان کے محاسن کا استعمال فنکارانہ انداز میں ملتا ہے جو ان کو منفرد شعراء کی صف میں لے آتا ہے۔ انہوں نے زندگی سے جو کچھ بھی حاصل کیا اور احساس کے آئینے میں جتنا کچھ سمویا اسے لفظوں کی زبان دے دی ہے۔ غرضیکہ جمال احسانی اپنے تخلیقی سفر میں روح عصر سموئے اپنی شعری شناخت کرانے میں واضح طور پر کامیاب رہے ہیں۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

حوالہ جات

۱۔ جابر علی سید، استعارے کے چار شہر، (ملتان: بیکن بکس، اشاعت ۱۹۹۴ء)، ص: ۳۹

۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، شاعری اور شاعری کی تنقید، (کراچی: اُردو دُنیا، ۱۹۶۵ء)، ص: ۱۱

۳۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف، (لاہور: بک ہوم پبلشرز، ۱۹۹۹ء)، ص: ۱۱

۴۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، (کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۹۵ء)، ص: ۱۲

۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء)، ص: ۲۸

۶۔ ایضاً، ص: ۱۶۹

۷۔ ایضاً، ص: ۱۸۷

۸۔ ایضاً، ص: ۳۲۳

۹۔ غلام حسین ساجد، نئی پاکستانی غزل ۔ نئے دستخط، (لاہور: پوسٹ بکس، ۱۹۹۷ء)، ص: ۴۷

۱۰۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۲۶

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۵۸

۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۶۸

۱۳۔ ایضاً، ص: ۳۰۵

۱۴۔ ایضاً، ص: ۳۱۷

۱۵۔ ایضاً، ص: ۳۷۵

۱۶۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، ص: ۸

۱۷۔ ایضاً، ص: ۲۶

۱۸۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۵۱

۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۲۴

Scanned with CamScanner

۲۰۔ ایضاً،ص: ۳۲۲

۲۱۔ ایضاً،ص: ۳۳۷

۲۲۔ ایضاً،ص: ۲۳۱

۲۳۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے،ص: ۸

۲۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۹۴

۲۵۔ ایضاً،ص: ۲۴۱

۲۶۔ ایضاً،ص: ۳۸۶

۲۷۔ ایضاً،ص: ۳۶۵

۲۸۔ ایضاً،ص: ۳۹۷

۲۹۔ ایضاً،ص: ۳۳

۳۰۔ ایضاً،ص: ۱۲۳

۳۱۔ ایضاً،ص: ۳۵۶

۳۲۔ ایضاً،ص: ۳۶۳

۳۳۔ ایضاً،ص: ۲۰۶

۳۴۔ جمال احسانی، ستارہ سفر، (کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۸۲ء)،ص: ۵

۳۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۱

۳۶۔ ایضاً،ص: ۲۸

۳۷۔ ایضاً،ص: ۸۱

۳۸۔ ایضاً،ص: ۱۰۳

۳۹۔ ایضاً،ص: ۱۱۰

۴۰۔ ایضاً،ص: ۱۲۳

۴۱۔ ایضاً،ص: ۱۳۱

۴۲۔ ایضاً،ص: ۱۴۸

Scanned with CamScanner

۴۳۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، ص: ۸

۴۴۔ مولوی نجم الدین رضی، بحر الفصاحت، (لاہور: مجلس ترقی ادب، جنوری ۲۰۰۷ء)، ص: ۱۹۶

۴۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۴۱

۴۶۔ ایضاً، ص: ۲۹

۴۷۔ ایضاً، ص: ۳۹۲

۴۸۔ ایضاً، ص: ۵۳

۴۹۔ ایضاً، ص: ۴۰

۵۰۔ ظفر اقبال، ''تارے کو مہتاب کیا'' کی تقریب رونمائی، ہم سُخن رائٹر فورم، کراچی، لاہور، اسلام آباد، ص: ۱۳

۵۱۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۳۸۳

۵۲۔ ایضاً، ص: ۱۰

۵۳۔ ایضاً، ص: ۳۷

۵۴۔ ایضاً، ص: ۴۰

۵۵۔ ایضاً، ص: ۴۴

۵۶۔ ایضاً، ص: ۵۲

۵۷۔ ایضاً، ص: ۳۹

۵۸۔ ایضاً، ص: ۳۸

۵۹۔ ایضاً، ص: ۳۹۶

۶۰۔ ایضاً، ص: ۳۹۴

۶۱۔ ایضاً، ص: ۳۸۴

۶۲۔ ایضاً، ص: ۳۳

۶۳۔ سعود عثمانی، دستخط، جمعہ ۱۰ اپریل ۲۰۲۰ء

۶۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۵۸

Scanned with CamScanner

۶۵۔ ایضاً،ص: ۲۰۲

۶۶۔ ایضاً،ص: ۳۳۳

۶۷۔ ایضاً،ص: ۱۱۸

۶۸۔ ایضاً،ص: ۱۲۰

۶۹۔ ایضاً،ص: ۳۴۳

۷۰۔ ایضاً،ص: ۹

۷۱۔ ایضاً،ص: ۱۰

۷۲۔ عنوان چشتی، ڈاکٹر، آزاد غزل ۔ ایک تجربہ ،مشمولہ آزاد غزل کی شناخت کی حدوں میں، مرتب: علیم صبا نویدی،ص: ۱۲۹

۷۳۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۴

۷۴۔ ایضاً،ص: ۹۴

۷۵۔ ایضاً،ص: ۲۰۹

۷۶۔ ایضاً،ص: ۲۸

۷۷۔ ایضاً،ص: ۲۲

۷۸۔ ایضاً،ص: ۴۷

۷۹۔ ایضاً،ص: ۱۷۴

۸۰۔ ایضاً،ص: ۲۰۵

۸۱۔ جاوید صبا، جمال احسانی تلاش اور حیرت کے سائبان تلے ،مشمولہ رات کے جاگے ہوئے ، (کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۹۵ء)،ص: ۸

۸۲۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اُردو نظم نظریہ و عمل، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء)،ص: ۲۴۰

۸۳۔ محمد افتخار شفیع، ڈاکٹر، اُردو غزل میں سراپا نگاری، (لاہور: گنج شکر پرنٹرز، ۲۰۱۷ء)،ص: ۷

۸۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۴۲

۸۵۔ ایضاً،ص: ۵۲

Scanned with CamScanner

۸۶۔ ایضاً،ص: ۲۸

۸۷۔ ایضاً،ص: ۱۱۵

۸۸۔ ایضاً،ص: ۱۰۲

۸۹۔ ایضاً،ص: ۳۴

۹۰۔ ایضاً،ص: ۱۱۴

۹۱۔ شکیل عدنان، ''تارے کو مہتاب کیا'' کی تقریب رونمائی، ہم سُخن رائٹر فورم، کراچی، لاہور، اسلام آباد،ص: ۹

۹۲۔ جابر علی سید، استعارے کے چار شہر،ص: ۴۱

۹۳۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت چہارم، ۲۰۱۷ء)،ص: ۱۰۶

۹۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۳۶

۹۵۔ ایضاً،ص: ۳۷

۹۶۔ ایضاً،ص: ۴۷

۹۷۔ ایضاً،ص: ۵۵

۹۸۔ ایضاً،ص: ۵۷

۹۹۔ ایضاً،ص: ۵۹

۱۰۰۔ ایضاً،ص: ۶۱

۱۰۱۔ ایضاً،ص: ۱۱۰

۱۰۲۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، اُردو غزل، (حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیٹ پریس، سن ندارد)،ص: ۱۱۴

۱۰۳۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات،ص: ۱۲۹

۱۰۴۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۵۶

۱۰۵۔ ایضاً،ص: ۱۰۰

۱۰۶۔ ایضاً،ص: ۳۸۶

Scanned with CamScanner

۱۰۷۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، ص: ۷۲

۱۰۸۔ ایضاً

۱۰۹۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۳۹۰

۱۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۵

۱۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۱

۱۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۳

۱۱۳۔ ایضاً، ص: ۷۰

۱۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۳۵

☆☆☆

Scanned with CamScanner

باب چہارم:

جمال احسانی کی غزل کا معاصر شعراء سے تقابلی جائزہ

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کی غزل کا معاصر شعراء سے تقابلی جائزہ

جدید اُردو غزل کے رجحان ساز شاعر جمال احسانی اپنی متنوع فکری جہات اور منفرد لب و لہجہ کے باعث معاصر شعراء میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی سے آغاز ہونے والا اُن کا تخلیقی سفر اپنی نصف صدی پوری کرنے کے بعد کسی اضمحلال اور فرسودگی کا شکار نہیں ہوا۔ تخلیقی سطح پر ان کی مسلسل فعالیت ان کے اُسلوب اور شخصیت کے عظیم زاویوں کو روشن کر رہی ہے۔ اکیسویں صدی کی غزل کے اجتماعی اُسلوب کو دیکھا جائے تو اس میں جمال احسانی کی غزل کے بعض زاویے بطور خاص نمایاں ہوئے ہیں اور یوں اُن کا فکر و اُسلوب نئی نسل کے فن کا حصہ بنتا ہوا دیکھائی دیتا ہے۔ جمال احسانی اُن خوش قسمت شعراء میں سے ہیں جن کا فن قارئین کے لیے تسکین ذوق کا سامان فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسی میں ان کی غیر معمولی مقبولیت کا راز پنہاں ہے۔ جب ہم کلاسیکی شعری روایت اور جدید شعری روایت کے اہم شعراء کے اسالیب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں جمال احسانی کی انفرادیت کو سمجھنے میں اور بھی آسانی ہوجاتی ہے ان کے ہاں دونوں روایات سے اکتساب کا عمل حددرجہ تخلیقی ہے۔ اس لیے کسی بڑے شاعر کے لہجے اور اُسلوب کی چاپ ان کے ہاں سُنائی نہیں دیتی۔ وہ اپنے شعلہ تخلیق کو خود روشن کرتے ہیں اور خود ہی اس سے نئی شمعیں جلانے کا کام کرتے ہیں۔ جمال احسانی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے مسائل کو ایک سچے فنکار کی طرح نہ صرف محسوس کیا بلکہ پورے فنی محاسن اور گہری شعری بصیرت کے ساتھ اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے سیاسی و سماجی شعور کے بیشتر مظاہر تخلیقی سطح پر سر گرم رہیں اور وہ ان مظاہر کی مدد سے اپنے اپنے عہد کی سچائیوں کو موضوع بناتے رہے۔ اُن کا یہی فنی ہنر انہیں ان کے معاصر شعراء اضافی میں ممتاز کرتا ہے۔ ۷۰ کی دہائی کو ہم اُردو غزل کا ثروت مند عہد کہہ سکتے ہیں۔ اس عہد میں جدید شعراء کی وسیع تعداد نظر آتی ہے۔ جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد غزل میں نئے مضامین اُسلوب تازہ نئی علامتیں متعارف کروائی جس سے غزل کی آبرو میں اضافہ ہوا۔ یہ غزل اس لیے حقیقی پاکستانی غزل ہے کہ اِس کے شاعروں میں تقریباً پاکستان کے ہم عمر ہیں کوئی چار پانچ سال پہلے پیدا ہوا ہے تو کوئی چار پانچ سال بعد میں۔ اس لیے خاور اعجاز نے بجا طور پر اس غزل کو نئی پاکستانی اُردو غزل کا نام دیا ہے۔ اس ضمن میں

Scanned with CamScanner

خاور اعجاز اس طرح رقمطراز ہیں:

''ہمارے وہ جدید شعراء جنہوں نے قیام پاکستان کے ارد گرد جنم لیا ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے آزاد ملک کی آزاد ہوا کو اپنی سانسوں میں سمویا ہے اس نسل کی اپنی سوچ اپنے تجربات و احساسات اور اپنا طریق اظہار ہے۔ جو ان سے پہلے کے بعد اور بعد میں آنے والے لکھاریوں سے مختلف ہے۔''[۱]

ان بہت سے ناموں میں سے افتخار عارف، پروین شاکر، ثروت حسین، غلام محمد قاصر، سلیم احمد، سلیم کوثر، جمال احسانی، صابر ظفر، فیض احمد فیض، محمد اظہار الحق، جون ایلیا، یوسف حسن، اور خالد اقبال یاسر نمایاں نام ہیں۔ یہاں ہم چند ناموں کے شعری سرمائے کا جمال احسانی کی غزل کے ساتھ تقابل پیش کرتے ہیں۔

جمال احسانی کے معاصرین میں ایک نام پروین شاکر کا بھی ہے۔ پروین شاکر کو اُردو کی منفرد لہجے کی شاعرہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی کم عرصے میں وہ شہرت حاصل ہوئی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہو پاتی ہے۔ پروین شاکر کی پوری شاعری ان کے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار ہے۔ پروین شاکر اُردو کی واحد شاعرہ ہے جس کی شاعری میں تازگی، کیفیت، فن شناسی، تاثیر اور نسوانیت کے تمام جواہر سے مالا مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لہجے نے جہاں ہمیں احساس و جذبات کے نئے ذائقوں سے آشنا کروایا وہاں وہ تین سو سالہ اُردو غزل کی تاریخ میں پہلی خاص و عام میں مقبول ایسی شاعرہ کے طور پر جگہ پاتی ہے جو معاصرین سے بھی آگے اور ممتاز ہے۔ پروین شاکر کی ممتاز شاعرانہ خصوصیت جذبے کی صداقت ہے۔ وہ اپنے خیال و فکر کو پوری وضاحت دیانت اور شفافیت کے ساتھ بیان کرتی ہیں، چاہے معاملات عشق ہوں یا کاروبار معاشرت و سیاست، کسی بھی پہلو پر جب وہ گویا ہوتی ہیں تو کسی قسم کا ابہام اِغلاق اور اُلجھاؤ نہیں چھوڑتیں لطافت شوخی خیال کا جمال اور احساس کی نازکی بھی نسوانیت کے تمام تر حسن و دل کشی کے ساتھ پروین شاکر کے یہاں جلوہ گر ہیں۔ پروین شاکر کی شاعری کے بارے میں جمیل الدین عالی اس طرح رقمطراز ہیں:

''پروین شاکر کوئی سطحی شاعرہ نہیں کہ اُس کے فکر و فن کے مختلف زاویوں کا مکمل جائزہ آسانی سے گرفت میں آسکے تاہم تین دھارے جن کو ہم آشوب ذات، آشوب کائنات اور آشوب وطن کے حوالوں سے شناخت کیا جاسکتا ہے جو کہ پہلو بہ پہلو بہتے دکھائی دیتے ہیں۔''[۲]

پروین شاکر کی دلکش و سحر طراز شاعری نے اُردو کے لفظیاتی ذخیرے اور تعبیروں سے آشنا کیا انہوں نے

Scanned with CamScanner

اپنے خیال کو الفاظ و اظہار کا جامہ پہنانے کے لیے لفظوں کی ایسی تراکیب نو تراشیں جن سے اُردو ادب کو ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت پیرایہ اظہار ملے۔ اس ضمن میں خالدہ حسین اس طرح رقمطراز ہیں:

''زبان و بیان میں امکانات کی تلاش اُس کا محبوب مشغلہ ہے۔ کبھی بندی لب و لہجہ میں گوگل متھرا جا پہنچے کبھی نئی چیز یا اُوڑھ امیر خسرو کی چھوکٹ پکڑ لی ورنہ میر غالب فیض و فراز کی مجلسوں میں کنول آسن جما یا مگر جہاں بھی گئے اپنے ذہن سے سوچا، اپنی بات کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ اُردو شاعری میں نسائی حیثیت ایک مستقل صورت اختیار کر رہی ہے۔''[۳]

پروین شاکر کی انفرادیت کا راز یہی ہے کہ اُس نے شاعری میں اپنی حقیقی ذات سے کام لیا ہے۔ انہوں نے وہی کچھ لکھا جو اُن کی ذات اُن سے لکھوا رہی تھی اور اُسی اُسلوب میں لکھا جس کی جڑ میں اُن کے ذہن و روح پیوست ہیں۔

پروین شاکر نے محبوب کی بے رخی بے توجہی عدم التفات یا بے وفائی کو بھی اپنی شاعری میں جگہ جگہ بیان کیا ہے مگر یہاں بھی وہ طرز ادا میں دیگر شعرا سے ممتاز ہیں۔ اس کفیت کو بیان کرتے ہوئے ان کا لہجہ شاکیانہ تو ہے ہی مگر ملتجیانہ اور پُر اُمید بھی ہے۔ وہ محبوب کی بے رُخی سے دلگیر ہوتی ہیں مگر در پردہ اس کا اظہار بھی کرتی ہیں کہ وہ کسی نہ کسی صورت ان کی طرف متوجہ ہو پروین شاکر نے ہجر کے موضوع کو بڑے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں اُن کے اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کسی اُمید پہ دروازے سے جھانکے کوئی[۴]

☆

؎ اپنی تنہائی مرے نام پہ آباد کرے
کون ہوگا جو مجھے اس کی طرح یاد کرے[۵]

☆

؎ ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی اُس نے کمال کر دیا[۶]

Scanned with CamScanner

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے اُلجھ جاتی ہیں[۷]

☆

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں
روز اِک موت نئے طرز کی ایجاد کرے[۸]

ہجر اُردو غزل کا محبوب ترین موضوع ہے۔ ہر دور کے شعراء نے ان کیفیات کو شعری پیرائے میں بیان کیا ہے اور اسی قدیم جذباتی رنگ کو اپنی محسوسات کے ساتھ نئے طرز احساس کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی طرح جمال احسانی کے اشعار میں ہجر کی مختلف کیفیات کو اپنے منفرد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ ہجر کے موضوع پر جمال احسانی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ ہجر کون جانے یہ بات کون سمجھے
میں اپنے گھر میں خوش ہوں وہ اپنے گھر میں خوش ہے[۹]

☆

ترے وصل کی آس بدلتے ہوئے تیرے ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے
کب دل مصروف نہیں رہتا کب جاں مشغول نہیں ہوتی[۱۰]

☆

کف شام ہجر میں کچھ نہ تھا شاخسار کوئی نہ تھا
وہ گھڑی بھی عشق میں آئی جب پس انتظار کوئی نہ تھا[۱۱]

☆

نہ اپنے ہجر میں پژمردہ پا کے خوشی ہے ہمیں
نہ اپنے وصل میں شاداب دیکھ سکتا ہے[۱۲]

☆

نہ سننے میں نہ کہیں دیکھنے میں آیا ہے
جو ہجر وصل مِرے تجربے میں آیا ہے[۱۳]

Scanned with CamScanner

جمالی احسانی نے ہجر کے موضوع کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ ان اشعار میں جمال احسانی کا انفرادی رنگ جھلکتا ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قافیہ ردیف کی غزلوں میں ہی جمال احسانی اپنے معاصرین سے الگ دیکھائی دیتا ہے بلکہ ایک زمین میں کہی گئی طویل و مختصر غزلوں میں بھی اس کی انفرادیت نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر پروین شاکر اور جمال احسانی کی یہ غزلیں ایک ہی زمین میں ہیں۔ پروین شاکر کے سترہ اور جمال احسانی کے چودہ اشعار ہیں لیکن کہیں بھی ایک دوسرے سے متاثر ہونے کا شبہ نہیں ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں پروین شاکر اور جمال احسانی کی غزلیں ملاحظہ ہوں:

جمال احسانی کی غزل کے اشعار

دیکھ کے بام پہ میرا چاند
آج کی رات نہ نکلا چاند

سب کی اپنی اپنی رات
سب کا اپنا اپنا چاند

شہر کی سونی گلیوں میں
میں ہوں اور آوارہ چاند

دیکھنا چاہوں میں وہ آنکھ
جس نے پہلے دیکھا چاند [۱۴]

پروین شاکر کی غزل کے اشعار

پورا دُکھ اور آدھا چاند
ہجر کی شب اور ایسا چاند

دن میں وحشت بہل گئی تھی
رات ہوئی اور نکلا چاند

کسی مقتل سے گزرا ہوگا
اتنا سہما سہما چاند [۱۵]

دونوں غزلوں میں کتنا فرق ہے۔ پروین شاکر کے اشعار میں محبت اور محبت کے متعلقات سے بات

Scanned with CamScanner

آگے نہیں بڑھتی جبکہ جمال احسانی کی غزل میں اپنی اپنی رات کا ذکر ہے۔شہر کی سونی اور اداس گلیوں کا بیان ہے۔ تیسرے شعر میں اداسی کی فضا چھائی ہوئی ہے چاند کے کُہر میں ڈوبنے کا ذکر ہے تھکن سے چور ہونے اور بستی گھومنے کا قصہ ہے۔ پروین شاکر کی غزل میں چاند کے مقتل سے گزرنے کے بعد ہم جانے گھنے بادل کے پیچھے تنہا ہونے کا ذکر ہے۔ پروین شاکر کی ساری علامتیں براہ راست دل پر اثر کرتی ہے جبکہ جمال احسانی کے ہاں کہیں کہیں فکری پہلو نمایاں ہیں۔ بہر حال یہ دو تخلیق کاروں کے ایک ہی عہد میں دو منفرد رویوں کی عکاس غزلیں ہیں۔

جمال احسانی کے معاصرین میں ایک اہم نام جون ایلیا کا بھی ہے۔ جون ایلیا جمال احسانی کے بہت گہرے دوست تھے۔جمال احسانی کی کئی شامیں جون ایلیا کے ساتھ گزری ہیں۔ جمال احسانی کی وفات پر جون ایلیا نے رثائی نظم لکھی جو اُن کی جمال احسانی سے بے پناہ محبت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جون ایلیا اپنے معاصرین سے نہایت درجے مختلف اور انتہائی منفرد شاعر ہے۔ ان کی شاعری پر اُردو فارسی عربی شاعری کی روشن روایات کا عکس نمایاں ہے۔مگر وہ اِن روایات کا استعمال اتنے انوکھے اور رسیلے انداز میں کرتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آخری نصف میں ہونے والی اُردو شاعری میں ان کی آواز نہایت آسانی سے الگ پہچانی جا سکتی ہیں۔ جون ایلیا کی شخصیت اور شاعری فکرونظر پر لکھنا آسان نہیں بالکل اسی طرح جسے حیات و کائنات کو سمجھنا آسان نہیں۔ جون ایلیا ایک ایسے منفرد اور یگانہ شاعر ہیں جس کا انداز نہ تو پہلے گزرنے والے کسی شاعر سے ملتا ہے اور نہ ہی بعد میں آنے والا کوئی شاعر ان کے لہجے کی تقلید کر سکا۔ وہ اپنے سلسلے کے آپ ہی موجد اور آپ ہی خاتم ہیں۔ جون ایلیا کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ عشق و محبت کے موضوعات کو اُردو غزل میں دوبارہ لے آئے۔غزل کا روایتی مطلب بے شک ''عورتوں سے باتیں کرنا'' ہو لیکن عالمی تحاریک، ترقی پسندی، جدیدیت وجودیت اور کئی طرح اذموں کے زیر اثر جون ایلیا کی نسل کے بیشتر شاعروں کے ہاں ذات و کائنات کے دوسرے مسائل حاوی ہوگئے۔ جون کو اقدار شکن نراجی اور باغی شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کا خلیہ طرز زندگی حد سے بڑھی ہوئی شراب نوشی اور زندگی سے لا اُبالی روپن بھی اس کی عمازی ہوتی تھی۔لیکن اُن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس طرز زندگی کو اپنے فن میں ایسے پیش کیا کہ شخص اور شاعر مل گئے۔کسی شاعر کے کلام یا شعور کی جستجو کے لیے کیا ضروری ہے اس حوالے سے ممتاز نقاد احتشام حسین لکھتے ہیں کہ:

''کسی بھی شاعر اور ادیب کے شعور کی جستجو کئی حیثیتوں سے کی جا سکتی ہے کیونکہ شعور

Scanned with CamScanner

کی انفرادیت میں جماعتی ضرورتوں اور خواہشوں کے بہت سے پردے گرتے اور بہت سے اُٹھتے ہیں۔ ماحول کی مادی بنیادوں سے لے کر خوابوں کی رنگارنگی تک نجانے کتنی منزلیں اور ہر منزل انسانی شعور پر اپنا عکس چھوڑتی ہے گو اصل بنیاد معاشی زندگی کے اُتار چڑھاؤ سے متعین ہوتی ہے لیکن دوسرے اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح فرد کا شعور مادی حالات اور سماجی ماحول میں مسلسل عمل اور ردّ عمل سے تشکیل پاتا ہے کسی کے پاس بنا بنایا شعور نہیں ہوتا بلکہ بنتا ہے اور حالات بدلیں تو بدل بھی جاتا ہے۔ انسان ماحول کو بدلتا ہے اور اس کے بدلنے کے بعد خود بھی بدل جاتا ہے۔''[۱۶]

اگر ہم جون کے کلام پر ابتدا سے انتہا تک نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں سب سے زیادہ دخل ناکامیوں، محرومیوں اور حزن و ملال کو رہا ہے۔ تمام زندگی میں شدید ناکامی علم اور علم شناسوں کی ناقدری کی وجہ سے ان کی طبیعت میں فراریت و بے دلی مردم بیزاری، خود اذیتی اور ناکامی و اعتراف و شکست کا تصور غالب آتا چلا گیا یہاں تک کہ وہ معاشرتی زندگی سے بیزار ہوتے چلے گئے اور زندگی جیسی ناگزیر ضرورت سے بھی الگ ہو کر تنہائی پسند ہوگے جس کی وجہ سے ان کی ذہنی و جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا عمل انتہا کو پہنچ گیا۔ اس ضمن میں خالد احمد انصاری اس طرح رقمطراز ہیں:

''ایک شائستہ نفیس طبع اور پُرسکون شخص اپنے کمزور جُثے میں کیسا سمندر اور کیسی آگ لیے پھرتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر شکوہ کناں اور بڑی سے بڑی بات پر بے حسی کی حد تک بے جنبش عیب جوئی میں میخ کے لیے ہر وقت کوشاں، بدگمان ہونے اور بدگمان کرنے میں یکتا ظاہر اور روایت دوست اصلاً روایت دشمن کاہلی بہ درجہ تمام گھنٹوں الکسانا، اینڈتے رہنا، خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور دوسروں سے کام لینے کے فن میں طاق مجلس باز دوست بدلتے رہنا بہت سے دوست اور شاید کوئی بھی نہیں سب سے بڑے اپنے آپ کے دوست۔''[۱۷]

جون ایلیا کے کلام میں خصوصاً غزلوں میں کلاسیکیت کا رجحان ہے۔ ان کے انداز بیان میں حُسن ہے جو ان کی فنی پختگی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ شعر میں قوت متخیلہ کو مقدم سمجھتے ہیں۔ ان کی غزلیں اس لحاظ سے بھی قابل توجہ ہیں کہ ان میں عصری آگہی اور مصروفیت ہے۔ ان کی غزلیں سادہ ہے مگر سپاٹ نہیں۔ انہوں نے زبان و بیان کے سرمائے سے کام لے کر نئے محسوسات و تجربات کو غزل میں سمویا ہے۔ ان کی غزلوں میں شائستہ کلامی

Scanned with CamScanner

ہے۔ جون زندگی کی پُرخار اور دشوار گزار راہوں سے گزرے ہیں اس لیے ان کے کلام میں تلخی بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے زندگی کے منفی رجحانات کو نہیں اپنایا۔ ان کے نزدیک وہ ادب زندہ جاوید اور متحرک نہیں ہوسکتا جو انسانی دُکھوں کا آئینہ دار نہ ہو۔ محمد شہباز اپنے مضمون ''کلام جون میں رنگ استفہام'' میں اس طرح رقمطراز ہیں:

> ''جون روز مرہ معاشرتی زندگی میں جسے بھی اور جہاں بھی کج روی میں ملوث پاتے ہیں سخت سے سخت الفاظ میں فوراً اس کی گرفت کرتے ہیں۔ پکڑ کرنے کے معاملے میں روایت کے برعکس وہ حسین وجمیل اور محبوب لوگوں تک کو بھی معاف نہیں کرتے بلکہ وہ تو اپنی ذات کو بھی اس نشتر ذنی سے نہیں بچا پاتے۔ وہ دوستوں کی بے مروتی عہد حاضر کے نام نہاد علماء کھوکھلے واعظموں اور لوگوں کی بے حسی پر پڑی بے رحمی سے طنز کرتے ہیں۔''[۱۸]

جون غزل میں جذبے کے اظہار اسلوب اور لہجے کے بانکپن کے شاعر ہیں۔ جون نے غزل کا آغاز روایتی انداز سے کیا لیکن اس روایتی انداز میں انہوں نے غزل کی تازگی اور جدتِ خیال سے کام لیا ہے۔ جون ایک حساس غزل گو شاعر ہیں۔ فرد اور معاشرے کے باہمی رشتوں سے آگاہی ان کی غزل جان ہے۔

جون ایلیا کی شاعری نادر استعاروں کا مرقع نظر آتی ہے۔ جون ایلیا ایک آدمی نہیں کئی آدمیوں کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح جون کی شاعری کسی ایک کا المیہ نہیں بلکہ کئی المیوں پر مشتمل ہے اور بالکل ویسے ہی جون کی شاعری میں کئی استعارے گردش کرتے نظر آتے ہیں لیکن جو استعارہ اس کی شاعری کا محور ومرکز ہے وہ صرف ایک ہے وہ ہے ''گھر کا استعارہ اور پھر اسی سے باقی تمام استعارے پھوٹتے ہیں۔ جون کی شاعری میں کچھ استعارے ایسے ہیں جو نظر آتے ہیں لیکن کچھ استعارے ایسے ہیں جنہیں دیکھنے کے ساتھ محسوس کرنے کی بھی ضرورت ہے جیسے جون کی شاعری میں ''گھر'' کا استعارہ نجانے کتنے گھر اور آخر کار جون نے اپنی ذات کو بھی ایک گھر بنا لیا اور پھر وہ بھی کہیں کھو گیا۔ امروہہ کے گھر کا بچھڑنا نجی گھر کا اُجڑنا بھائیوں کے آبائی گھر کا بکنا پھر خود کا بے گھر ہونا اور پھر ذات کے گھر کا بھی ڈھے جانا۔ یہ استعارہ تو جون کی زندگی کا المیہ بھی ہے اور حقیقت بھی۔ اس ضمن میں جون ایلیا کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اور کیا چاہتی ہے گردش ایام کہ ہم
اپنا گھر بھول گئے، اُسی کی گلی بھول گئے [۱۹]

Scanned with CamScanner

اب وہ گھر اک ویرانہ تھا بس ویرانہ زندہ تھا
سب آنکھیں دم توڑ چکی تھیں اور میں تنہا زندہ تھا [۲۰]

☆

میں تو سودا لیے پھرا سر میں
خاک اُڑتی رہی مرے گھر میں [۲۱]

☆

کون اس گھر کی دیکھ کی دیکھ بھال کرے
روز ایک چیز ٹوٹ جاتی ہے [۲۲]

☆

اِک دیوار گِر پڑی دل پر
ایک دیوار کھینچ گئی گھر میں [۲۳]

☆

جانا نہیں ہے گھر سے نکل کے کہیں مگر
ہر ماہ رُو کے گھر کا پتہ چاہیے ہمیں [۲۴]

جمال احسانی نے بھی گھر کے موضوع کو بڑے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں اُن کے اشعار ملاحظہ ہوں:

برائے رونق بام و دریچہ
گھروں سے دور بھی رہنا پڑتا ہے [۲۵]

☆

ذرا سی بات پہ دل کو بگاڑ آیا ہوں
بنا بنایا ہوا گھر اُجاڑ آیا ہوں [۲۶]

☆

Scanned with CamScanner

یہ ہجر کون سمجھے یہ بات کون جانے
میں اپنے گھر میں خوش ہوں وہ اپنے گھر میں خوش ہے ۲۷

☆

سمجھا نہیں گیا جو مجھے گھر کا آدمی
مجھ میں بکھر گیا میرے اندر کا آدمی ۲۸

☆

اس گھر کی فضا نے مجھے مانا نہیں اب تک
پینتیس برس جس میں گزارے ہیں کم و بیش ۲۹

☆

قدر دل مہاجر خستہ کرو کہ یہ
یہ بے شجرہ نسب نہیں بے گھر ضرور ہے ۳۰

جون کے ان اشعار کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی غزلوں میں چونکا دینے والے اشعار کہے ہیں انہوں نے گھر کے استعارے کو بڑے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ جون نے گردش ایام سے یہ گلہ کیا ہے کہ غم جاناں اور غم دوراں کے ہاتھوں مجبور ہو کر نہ صرف محبوب کی گلی کو بھلانا پڑا بلکہ ہم تو اپنے گھر کا راستہ بھی بھول گئے ہیں۔ تنہائی جون کی دوست بھی اور دشمن بھی۔ یہاں شاعر کی مراد گھر کی ویرانی اور تنہائی بھی ہے اور اُس کی ذات کے گھر کا ویرانہ بھی مراد ہے۔ جون نے گھر کے استعارے کو سادگی سے کہیں بھی استعمال نہیں کیا ہر جگہ گھر کے کئی معنی بیان کیے ہیں۔ تیسرے شعر میں جون منفرد انداز میں گھر کے موضوع کو بیان کرتے ہیں۔ اب اس شعر میں دیکھئے کہ میں تو کسی جنون میں مبتلا تھا اور اسی جنون میں جب میری ذات کا گھر ویران ہو گیا۔ کب میرے گھر میں ویرانی چھا گئی مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا۔ بے صبری میں اپنا گھر بھی اُجاڑ بیٹھتے۔ گھر کے استعارے کو جون نے اپنے جذبات و احساسات اپنے حزن و ملال اپنی بے خیالی و بے یقینی اپنے گمان و شک اپنی بے مائیگی، تنہائی اور حوفِ ذات کو بیان کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ زندگی کا کوئی بھی المیہ ہو وہ اسے گھر سے منسوب کرتے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح جمال احسانی نے بھی اپنے اشعار میں ''گھر'' کے موضوع بڑے جدید انداز میں بیان کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کے ہاں جون ایلیا کی طرح نکل مکانی بے بسی اور تنہائی، بے گھری کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ جون ایلیا کے آباؤ اجداد امروہہ سے ہجرت کر کے پاکستان جبکہ جمال احسانی کا خاندان پانی پت سے ہجرت کر کے پاکستان آیا اس ہجرت نے اِن کی شخصیت پر اداسی کے گہرے اثرات مرتب کیے۔ جمال احسانی کے خاندان نے پانی پت سے ہجرت کر کے سرگودھا میں آ کر رہائش اختیار کی۔ والد کی وفات کے بعد ان کی خاندان کراچی میں منتقل ہوا۔ وہاں سے جمال احسانی کی زندگی میں نئے مسائل کا آغاز ہوا انہوں نے کرائے کے مکانوں میں کراچی شہر کا کریہ کریہ گھوما۔ ان کی زندگی خانہ بدوشی کی مکمل تصویر بن کر رہ گئی تھی۔ اس بے گھری کا انہیں شدت سے احساس تھا جو ان کے اشعار میں جابجا نظر آتی ہے۔ ہجرت کے بعد گھر کا فرد تسلیم نہ کرنے کا احساس بھی ایک حساس شاعر کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں۔ جون ایلیا اور جمال احسانی نے ''گھر'' کے موضوع جس انداز سے بیان کیا اُردو شاعری میں دوسرے شعراء کے ہاں ایسے استعارے کم نظر آتے ہیں۔فکری سطح پر دیکھا جائے تو جمال احسانی اور جون ایلیا نے بے گھری کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ جمال احسانی نے اپنے آخری مجموعے ''تارے کو مہتاب'' میں جون ایلیا کی نظر اپنی غزل کی جوان کی جون ایلیا سے بے پناہ عقیدت کی عکاس ہے۔ جمال احسانی کے معاصرین میں ایک بڑا نام فیض احمد فیض کا ہے۔فیض احمد فیض نے اپنی شاعری میں مظلوم طبقے کے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ وہ ترقی پسند تحریک کے نمائندہ اور منفرد شعراء میں سے تھے۔ترقی پسند تحریک پہلی باقاعدہ تحریک تھی جس کی بدولت عوام کی رسائی ادب تک ممکن ہوسکی اس تحریک کا بنیادی مقصد زبان و ادب کو عوام کے قریب لانا عوام سے اس کا رشتہ مضبوط کرنا اور انسانی زندگی کے تمام پہلوں کو اُجاگر کرنا تھا۔ اس تحریک سے وابستہ شعراء نے کم و بیش اس عمل کو انجام دینے کی کوشش کی۔ چونکہ ہر شاعر اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے۔ وہ جس ماحول اور معاشرے میں سانس لیتا ہے اس کی اثرات اس کے دل اور دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور وہ وہی کچھ اپنے فن میں پیش کرتا ہے جو وہ اپنے اردگرد محسوس کرتا دیکھتا ہے کیونکہ کوئی بھی حساس ذہن اپنے گرد و پیش سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ شاعر اپنے تجربات و مشاہدات کو صرف اپنے ملک معاشرے تک محدود نہ رکھ کر پوری دُنیا پر محیط کرتا ہے ادب میں اس کی ذات آفاقی حیثیت کی حامل بن جاتی ہے۔جن ترقی پسند شعراء نے اپنے تجربات و مشاہدات میں پوری عالم انسانیت کو شریک فرمایا اور عوام و خواص کے دلوں میں حیاتِ جاوداں پائی ان میں فیض احمد فیض کا نام سرفہرست ہے۔فیض نے اپنی شاعری میں مظلوم طبقے کے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ جذبوں کی صداقت تمثالوں کی تازگی لفظ کے تخلیقی استعمال اور امیجری کی ندرت فیض کے کلام کے نمایاں اُوصاف ہیں۔فیض

Scanned with CamScanner

احمد فیض کا نظام فکر انقلابی تصورات سے مزین ہے۔ظلم و استبداد کے خلاف ان کی آواز اقتدار کے ایوانوں میں لرزہ برپا کر دیتی ہے۔قید و بند کی صعوبتیں بھی انہیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکی۔ اپنے افکار اور جرأت اظہار کی بدولت فیض کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے۔ ان کی شاعری خلوص صداقت اور انصاف کا پرچار کرتی ہے۔ ظالمانہ استحصالی نظام کے خلاف ان کے خیالات ہمیشہ فکر ونظر کو مہمیز کرنے کا وسیلہ ثابت ہوں گے۔فیض کی شاعری ملکی اور بین الاقوامی تاریخ کے نشیب و فراز پر محیط ہے۔اشفاق حسین فیض کی شخصیت کے اس پہلو کے متعلق بیان کرتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہیں ''فیض کی ساری شعوری زندگی دکھی انسانیت کے لیے مرہم الفاظ مہیا کرنے، مظلوموں کے ظالموں سے پنجہ آزمائی کی جرأت دلانے، خوشگوار مستقبل کی نوید سُناتے اور جیتی جاگتی محبتوں اور اُلفتوں کی نغمہ خوانی میں گزری۔'' ۳۱

فیض نے ظلم کرنے والی قوتوں کی شناخت کی اور مظلوموں کے مسائل میں جھانکنے کا بھیڑا اُٹھایا۔فیض نے اپنی شاعری میں نہ صرف اپنے دل کی دُنیا بسائی بلکہ سماج میں جینے والے ان لوگوں کے دُکھ درد اور آنسوں کی سچی تصویریں پیش کیں جن کی طرف اب تک ہماری نگاہیں نہیں پہنچتی تھیں اور انہوں نے نہ صرف ان کی دُکھ درد کو محسوس کیا بلکہ ان کو جینے کا حوصلہ بخشا۔ بلاشبہ فیض کی شاعری حسن و عشق تک محدود نہیں بلکہ کاروبار زیست کی ترجمان بھی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو خوابوں کی دُنیا تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان تمام دبے کچلے اور حاشیے پر کھڑے لوگوں کی آواز بنا دی جن کی آواز اقتدار کے ایوانوں تک سُنائی نہیں دیتی تھی۔ ان کی شاعری میں جہاں ایک طرف جذبات کا سیل رواں ملتا ہے وہیں دوسری طرف انسان سے محبت کا اٹوٹ رشتے کا احساس بھی ہر لمحہ ہوتا ہے۔ دراصل یہی انسانیت کی اساس بھی ہے اور میراث بھی۔ آزادی فکر آزادی اظہاری احترام آدمیت اور انسانی اقدار کی پاسداری یہ وہ عناصر ہیں جو فیض کی آواز کو مخصوص نظریے ہی کی نہیں بلکہ ایک عہد کی توانا آواز بناتے ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالی لکھتے ہیں:

> ''فیض جبر و استحصال کے دشمن تھے۔ عدل و انصاف کے داعی تھے۔عوام کو انسانی قوتوں کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ وہ عوام جن سے قوموں کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔صنعت و حرفت پھلنے پھولنے لگتی ہے او رزندگی کے چمشے اُبلنے لگتے ہیں۔ ان شاعری عوام کی اس قوت کی ترجمان ہے۔'' ۳۲

جب فیض احمد فیض کی نظر زندگی کے تضادات پر پڑتی ہے جہاں ایک طرف گہرائی ہے تو دوسری طرف

Scanned with CamScanner

بلندی غم کے ساتھ خوشی کا احساس زندگی کی تلخیاں اس کے گردونواح میں روتی بلکتی انسانیت غموں سے نڈھال سسکتی ہوئی مخلوق لاچار مجبور دو وقت کی روٹی کے لیے جسے مہینوں اور سالوں جانوروں کی سی محنت کرنی پڑتی تو ان کا حساس دل انہیں دُکھی اور اداس کر دیتا ہے۔ فیض کی شاعری میں انسانوں کو درپیش مسائل کا ذکر جابجا ملتا ہے۔ وہ حکمران طبقے کی عوام دشمن پالیسیوں پر بلا خوف وخطر اظہار کرتے ہیں۔ اس ضمن میں فیض کے اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
منظور یہ تلخی یہ ستم ہم کو گوارا
دم ہے تو مداوائے الم کرتے رہیں گے ۳۳

☆

؎ وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے ۳۴

☆

آ گئی فصل سکوں چاک گریبان والوں
سل گئے ہونٹ کوئی زخم سلے نہ سلے
دوستوں بزم سجاؤ کہ بہار آئی ہے
کھل گئے زخم کوئی پھول کھلے نہ کھلے ۳۵

☆

عاجزی سیکھی غریبوں کی حمایت سیکھی
یاس و حرماں کے دکھ درد کے معنی سیکھے
زیر دستوں کے مصائب کو سمجھا سیکھا
سرد آہوں کے رخ زرد کے معنی سیکھے ۳۶

جمال احسانی کی غزل بھی ظلم وستم اور استحصال کے خلاف احتجاج اور حق بیانی کا استعارہ ہے۔ جمال

Scanned with CamScanner

احسانی جب اپنے اِرد گرد منظر نامے پر نظر ڈالتے ظلم وستم اور ناانصافی دیکھتے ہیں تو وہ ظلم و استحصال پر صدائے احتجاج بلند کرتے نظر آتے ہیں۔

؎ اتنی مہنگائی تھی بستی میں کہ ہر شخص
اپنے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا[۳۷]

☆

ایک آدمی کی رہائی سے بھی تو ہو جاتا
جو شہر بھر کی گرفتاریوں کے بعد ہوا[۳۸]

☆

گر امتحان جنوں میں نہ کرتے قیس کی نقل
جمال سب سے ضروری سوال رہ جاتا[۳۹]

☆

مجھے اچھا نہیں لگتا زباں کو بند کر لینا
مگر بچوں کے ہاتھ میں نوالہ اچھا لگتا ہے[۴۰]

ہم فیض کی شاعری میں انسانی اقدار کا نکھرا ہوا روپ دیکھتے ہیں۔ ان کے یہاں عالمی اخوت جبر واستحصال سے نجات جیسے موضوعات میں عالمگیر اعلیٰ انسانی قدریں ہیں۔ فیض کی شاعری میں مجبوروں اور مظلوموں کی آہیں اور کراہیں براہِ راست سُنائی دیتی ہیں۔ فیض نے سماج کی محرومی بیگانگی اور سرمایہ درانہ استحصال کو انتہائی منفرد انداز میں نہ صرف بے نقاب کیا ہے بلکہ طبقاتی نظام کے خلاف انقلابی لڑائی کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے۔ فیض کی شاعری میں انسانیت سے محبت دوسروں کا درد زندگی کی بنیادی ضروریات غربت محرومی اُن کو بے چین رکھتی تھی۔ جس کی بازگشت اُن کے اشعار میں شدت سے سنائی دیتی ہے۔ غرض فیض جہاں ایک عاشق ہے وہیں محنت کش بھی ہے جہاں ایک چاہنے والا ہے وہیں ایک باغی بھی ہے جہاں ایک انقلابی ہے وہیں عمارت ساز بھی ہے۔ فیض فن اور شخصیت کا حاصل ہے لہٰذا ان کی شاعری ہمیشہ نوع انسانیت کے لیے مداوائے الم کا کام کرتی رہے گی۔ جمال احسانی نے بھی اپنی شاعری میں عام لوگوں کے مسائل کا ذکر فیض کی طرح کیا ہے اس میں ان کا مزاحمتی رویہ عروج پر نظر آتا ہے۔ اُردو شاعری میں ظلم و استحصال پر صدائے احتجاج بلند کرنا ترقی پسند شاعروں کا طرہ امتیاز نظر آتا ہے

Scanned with CamScanner

تاہم جمال احسانی نے روایتی ترقی پسندوں کی طرح اپنی شاعری کو ایک نعرہ نہیں بننے دیا وہ جب ظلم کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں تو ان کا رویہ ایک حق پرست اور راست گو شاعر کے طور سامنے آتا ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتی ہے کہ ان کے باغیانہ لہجے سے غزل کا صحیح مزاج بھی متاثر نہیں ہونے پاتا۔ جمال احسانی نے فیض کی طرح حکمران طبقے کی عوام دشمن پالیسیوں پر بلاخوف وخطر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ مہنگائی کی ستائی عوام کو دیکھتا ہے تو اس کا کرب اور بڑھ جاتا ہے۔ جمال کی شاعری کی طاقت اس کی سچائی ہے۔ شاعری میں اس نے سمجھوتا نہیں کیا۔ نہ روایت کے زیر اثر آیا نہ ترقی پسندی اور جدیدیت کو فیشن کے طور پر اپنایا جو لکھا اپنا لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمال احسانی کی شاعری اُسے اُس عہد کے شعراء میں اُسے ممتاز کرتی ہے اُس نے شاعری میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ عام آدمی کے مسائل فیض احمد فیض کی طرح جمال احسانی نے اپنے منفرد انداز میں بیان کیے۔ اُس کی یہی صفت اُسے اُس کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔

جمال احسانی کے معاصرین میں ایک اہم نام سلیم کوثر کا ہے۔ سلیم کوثر عہد حاضر کے نامور شاعر اور جمال احسانی کے سب سے قریبی دوستوں میں سے ہے۔ جمال احسانی نے اپنے آخری مجموعے ''تارے کو مہتاب کیا'' میں ایک غزل سلیم کوثر کے نام کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سلیم کوثر سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جمال احسانی نے سلیم کوثر کے نام جو غزل کی ہے اُس کے اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ یہ ظلم مرے چاہنے والے نہیں کرنا
دیکھو مجھے دُنیا کے حوالے نہیں کرنا
نزدیک سے دیکھو تو نظر آتا نہیں کچھ
اس شہر میں اب اور اُجالے نہیں کرنا
پانی نہیں دینا مرے یادوں کے شجر کو
یہ کام مرے بھولنے والے نہیں کرنا
آئندہ سفر کے لیے رکھنا کوئی رستہ
کشتی کو سمندر کے حوالے نہیں کرنا
اس دل کی طرف آنے نہ دینا کوئی لشکر
اس شہر کو غیروں کے حوالے نہیں کرنا[۴۱]

Scanned with CamScanner

جمال احسانی کی اس غزل کے اشعار کو دیکھا جائے تو سلیم کوثر کے ساتھ اُن کی محبت خلوص اور بے پناہ عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔ جمال احسانی کے ساتھ گزرے وقت کو سلیم کوثر کچھ اس طرح یاد کرتے ہیں:

> ''جمال احسانی کا اور میرا ساتھ چھبیس برس محیط ماہ وسال کا دیدہ و نادیدہ ایسا منظر نامہ ہے جس میں بعض موڑ جان لیوا حد تک ڈرامائی ہیں۔ ۱۰۰ کواٹر سے کلفٹن۔ کلفٹن سے گلستان جوہر تک کے سفر میں اسے خسارہ ہوسکتا ہے کہ یہ سفر کہیں مادی اشیاء کے حصول اور کہیں نئے خوابوں کی تعبیر سے ہمکناری کا سفر ہے اور ان نئے خوابوں کو تعبیر کرنے کی آرزو میں اِک شاعر کو زندگی کے نشیب و فراز کی دشواریوں میں کیسی تمثال گری کرنا پڑی، اس کا اندازہ اس کے چہرے پر چھائے ہوئے دھوپ چھاؤں کی دُھند میں در آئی ہیں۔ ''تارے کو مہتاب'' کی مسافت کا آغاز اس نے ''ستارہ سفر'' سے کیا تھا ''رات کے جاگے ہوئے'' تو اگلی مسافت کے لیے ایک پڑاؤ تھا اور اب ''تارے کو مہتاب کیا'' تک آتے آتے جو مسافت جمال نے جھیلی ہے، اس میں اسے خسارہ بالکل نہیں ہوگا کہ یہ وہ زندگی کی سچائیوں اور خیال کی اثر آفرینیوں کا سفر ہی نہیں درونِ ذات سجدہ گزاریوں کے عمل کی تہ داریوں کی داستان بھی ہے۔''[۴۲]

سلیم کوثر کی شاعری ۷۰ کی دہائی میں پروان چڑھی اور ۸۰ کی دہائی میں اسے مقبولیت عام کا درجہ حاصل ہوا ہمارے ہاں بالعموم دیکھا گیا ہے کہ عوامی مقبولیت کے حامل شعراء کے ہاں فنی سطح پر وہ پختگی موجود نہیں ہوتی جو ادب کے سنجیدہ قارئین کو متاثر کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتی ہے مگر سلیم کوثر کا معاملہ مختلف ہے ان کی مقبولیت کا دائرہ عوام الناس اور فن کے ماہرین تک وسیع نظر آتا ہے۔ سلیم کوثر اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان کو عوامی سطح پر متعارف کروانے والا فن پارہ محض گلوکار کے لحن اور گائیکی کے اعلیٰ منظر میں اعلیٰ فنی محاسن بھی کارفرما نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ غزل آج بھی اہل فن کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔

میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سر آئینہ مرا عکس ہے، پس آئینہ کوئی اور ہے[۴۳]

سلیم کوثر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے غزل کی زبان میں غیر معمولی تبدیلی اور توڑ پھوڑ کے بغیر غزل کو غزل کے آرٹ تناظر میں نئے امکانات سے آشنا کیا ہے۔ ان کی غزل کا جمالیاتی زاویے حد درجے نئے ہوتے ہوئے بھی اپنی روایت کے ساتھ انسلاک کے حامل دیکھائی دیتے ہیں اور اس غزل کو ہم نہ تو کلاسیکی کہتے ہیں اور

Scanned with CamScanner

نہ ہی معروف معنوں میں جدیدیت کی حامل کیونکہ انہوں نے کلاسیکیت اوررومانویت کے دائروں کو ایک ساتھ وسعت دینے کا کام کیا ہے۔ سلیم کوثر کی غزل اسی جدید تر منظر نامے سے ابھرتی ہے اور اس غزل کے نئے آفاق کا پتہ دیتی ہے۔ ان کی غزل میں ان کا انفرادی مزاج ان کے عہد کے تجربات عصری آشوب سماجی زاویے اور سیاسی رجحانات کا تخلیقی اظہار ملتا ہے۔ اور اس تخلیقی اظہار کی انفرادیت انہیں جدید غزل میں اعلیٰ مقام فراہم کرتی ہے۔ ڈاکٹر وحید احمد سلیم کوثر کے فن اور شخصیت کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

''فن ہو یا شخصیت سلیم کوثر ہر دو اعتبار سے قابل صد احترام ہے۔ اگر رس ان کے سُخن میں رواں ہیں تو شرینی ان کی شخصیت میں گھلی ہوئی ہے میں انہیں اُردو ادب کے ماڈرن کلاسیک کا مضبوط ستون سمجھتا ہوں۔ جاودانی ادب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ قاری کو جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ سلیم کوثر کی شاعری اس لحاظ سے نہایت ثروت مند ہے۔ بقول ان کے ''ایک تاریخ سفر کرتی ہے زنجیر کے ساتھ''۔ نابغہ روزگار شاعروں کی زنجیر حضرت امیر خسرو سے آغاز کرتی ہے۔ کڑی در کڑی اس زنجیر کو صدیاں پروتی رہیں۔ سلیم کوثر اس زنجیر کی ایک روشن کڑی ہے۔ انہوں نے اپنی راہ خود تراشی کیوں کہ صاحب اُسلوب ہونے کی ودیعت ہے انہیں۔ جب وہ کہتے ہیں

کہ وہ اپنی سچائی کے سزاوار ہیں تو اپنے بارے میں بجا فرماتے ہیں۔ میں ان کی
شخصیت کی صداح اوران کے چکاچوند اشعار کا سیر ہوں مثلاً:

میں تو خود اپنی ہی سچائی کا مجرم ہو ں سلیم
میرا غالب سے تعلق نہ کوئی میر کے ساتھ'' ۴۴

سلیم کوثر کی شعری جمالیات کو ہم ان کے تصور محبت کے آئینے میں زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک محبت اور عشق کا تصور اپنے اندر اچھی خاصی وسعت کا حامل ہے انہوں نے اپنے دوسرے مجموعہ کلام ''یہ چراغ ہے تو جلا رہے'' کا انتساب اپنے باپ کے نام کیا ہے اوراس انتساب کی عبارت کچھ یوں ہے۔ ''محبت تو میرے عہد میں بھی عام نہیں ہوئی اور آپ کو محبت کرنے کا جنون تھا اپنے مزدور اور مقتول پاپ کے نام''۔

سلیم کوثر کے نزدیک محبت کا جذبہ خیر کا جذبہ ہے اور بدی کی قوتوں کو پسپا کرنے والا ہے۔ جزبہ محبت پر سلیم کوثر کا جذبہ محبت پر اشعار ملاحظہ ہوں:

Scanned with CamScanner

مرے خدا انہیں توفیق دے محبت کی
کہ میرے لوگ مرے خواب کم ہی جانتے ہیں۴۵

☆

اتنا خوش فہم نہ ہو اپنی پذیرائی پر
ہم کسی اور محبت میں ملے ہیں تجھ سے ۴۶

☆

محبت اپنے لیے جن کو منتخب کر لے
وہ لوگ مر کے بھی مرتے نہیں محبت میں ۴۷

☆

محبت میں نہ کہاں تم دُنیاداری کو اُٹھا لائے
کہ نفع اس طرح ہونا خسارہ اس طرح مِلنا ۴۸

☆

یہاں جو فرض کرنا ہے اُسے کھونا ہی کھونا ہے
محبت میں نہ ہونا کچھ نہیں ہے صرف ہونا ہے۴۹

جمال احسانی کی غزل جدید تر منظر نامہ سے اُبھرتی ہے۔ ان کی غزل میں ان کا انفرادی مزاج ان کے عہد کے تجربات عصری مسائل سماجی زاویے اور تخلیقی رجحانات کا تخلیقی اظہار ملتا ہے اور اس تخلیقی اظہار کی انفرادیت انہیں جدید غزل میں اعلیٰ مقام فراہم کرتی ہے۔ جمال احسانی نے محبت اور اس کے متعلقات کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور اس جذبے کے ساتھ جڑے ہوئے کم و بیش تمام احساسات کو اپنی غزل کا موضوع بنایا ہے۔ محبت ان کے نزدیک کیا اہمیت رکھتی ہے اور اس کی کتنی وسعت ہے اس کا اندازہ ان کے اشعار پڑھ کر ہو جاتا ہے۔

جمال احسانی کی غزل میں تصورِ محبت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی کا حل کسی کا مسئلہ ہے
محبت اپنا اپنا تجربہ ہے۵۰

☆

Scanned with CamScanner

یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے۵۱

☆

کچھ تو مشکل ہے بہت کار محبت اور کچھ
یار لوگوں سے مشقت نہیں کی جاسکتی۵۲

☆

اُسے محبت کرنے کا فن مشکل لگتا ہے
ہمیں نبھانی رسم دعا سلام نہیں آتی ۵۳

☆

محبت کی بلندی پر ہے یقین تو کوئی
گلے لگائے مری سطح پر اُتر کر مجھے۵۴

سلیم کوثر نے اپنی شاعری میں محبت کو ایک سدا بہار شجر کے روپ میں پیش کیا ہے۔ محبت کا یہ شجر زندگی کے ہر موسم میں اپنی بہار آفرینی کی وجہ سے مرکز نگاہ رہتا ہے۔ آلام روزگار کے مسموم ماحول میں بھی محبت کی وجہ سے غنچہ دل سدا کھلا رہتا ہے۔ سلیم کوثر کی شاعری میں محبت کی معجزہ آفرینی قلب اور روح کی گہرائیوں میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ سلیم کوثر نے غزل اور تغزل کے مختلف زاویوں کو اپنے رنگ سے سنوارنے کا کام کیا ہے ان کی غزل نہ صرف روایت کی توسیع کا کام کر رہی ہے بلکہ ادب کے جدید رویوں کو بھی نمایاں کر رہی ہے۔ جمال احسانی نے محبت کے موضوع کو سلیم کوثر کی طرح منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ جمال احسانی کی غزل میں محبت کا آفاقی موضوع اپنی پوری توانائی سے اُبھرتا ہے اور اس کا رنگ جابجا بکھرتے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں کیونکہ یہ اُن کی غزل کا بنیادی موضوع ہے۔ جمال احسانی کی غزل میں محبت کا جذبہ اپنی پوری صداقت اور لطافت کے ساتھ نظر آتا ہے اور اس کی روایتی مدوجزر کو انہوں نے اپنی غزل کی بنیاد بنایا ہے۔ مگر اس میں حد درجے صداقت اور لطافت محبت کی عام مقبول شاعری سے ممیّز وممتاز کر دیا ہے کیونکہ جمال احسانی ہمیں جس انداز سے محبت کی صدا سے متعارف کرواتے ہیں وہ شعری تجربہ عام نہیں بلکہ بہت خاص ہے۔ یہ انفرادیت ان کی غزل کو سلیم کوثر کی طرح غیر معمولی تازگی فراہم کرتا ہے۔ جمال احسانی اور سلیم کوثر ایک دوسرے کے ہم عمر ہونے کے باوجود اپنی فکر کے

Scanned with CamScanner

لحاظ سے یکسر مختلف ہیں۔ یہی بات جمال احسانی کو اُن کے ہم عمر شعراء میں ممتاز کرتی ہے اس وجہ سے اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کا کلام قارئین کے لیے ذوق کا سامان پیدا کرتا ہے۔

جمال احسانی کے معاصرین میں احمد فراز کا نام نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ ان کا اصل نام سید احمد شاہ تھا۔ اُردو فارسی میں ایم اے کیا۔ ایڈورڈ کالج میں (پشاور) میں تعلیم کے دوران ریڈیو پاکستان کے لیے فیچر لکھنے شروع کیے۔ احمد فراز پاکستان کے واحد شاعر ہیں جن کا کلام روس کے نصاب میں شامل ہے۔ احمد فراز اُردو شاعری کی ایک بااثر اور معتبر آواز ہے۔ احمد فراز کی شاعری جہاں ایک جانب علامتی احتجاجی روحانی شاعری کی وہیں دوسری جانب انہوں نے ایسے اشعار بھی کہے جن کی بدولت اُردو ادب میں ان کے قد میں اور اضافہ ہوا۔ دراصل یہ اشعار ہی ان کی شہرت اور مقبولت کا سبب بھی بنے۔ انقلابی احتجاجی اور روحانی شاعری کے ذریعے احمد فراز نے اُردو ادب میں الگ مقام و مرتبہ بنایا۔ احمد فراز کی شاعری کے تراجم دُنیا کی بڑی زبانوں مثلاً فرانسیسی، ہالینڈ یوگوسلاوی روسی پنجابی جاپانی اور سویڈشن زبانوں کے علاوہ انگریزی میں ''ون ان دی ولڈرینس'' اور ہندی میں ''کویتا کوش'' کے نام سے ان کی شاعری شائع ہو چکی ہے۔ ان کی شاعری کے تراجم ان کی عالمی شہرت کا واضح ثبوت ہے۔ احمد فراز کی شاعری اور شعری جہات پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر وہاب اشرفی یوں رقم طراز ہیں:

> ''احمد فراز پاکستان کے نہایت مقبول ترین شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کے بارہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جو ان کی مقبولیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کا کلام نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ فراز کی غزل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز ترقی پسند تحریک کے زیر سایہ کیا لیکن جلد ہی انہوں نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی۔'' ۵۵

موجودہ دور کی غزل گوئی کا تصور احمد فراز کے بغیر ناممکن ہے۔ احمد فراز کی غزل کی کئی فکری جہات ہے لیکن اُن کی شاعری کا اہم موضوع عشق ہے۔ احمد فراز کی شاعری درد عشق کی سچی شاعری ہے جس میں وصال سے زیادہ ہجر کا کرب نمایاں ہوتا ہے۔ فراز کی درد عشق کی شاعری میں انتظار کی کیفیت اور محبت کی جستجو نظر آتی ہے جس میں فراز اپنے محبوب کو پانے سے پہلے کھونے کا ڈر کا احساس دلاتا ہے۔ احمد فراز کے جذبات و احساسات میں اتنی سچائی ہوتی ہے کہ انسانی زندگی کی حقیقت کی ترجمانی معلوم ہوتی ہے جو کہ اس طرح سے قاری کے جذبات و احساسات میں گھل جاتے ہیں کہ انہیں اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فراز کے اشعار لوگوں

Scanned with CamScanner

کے دل میں گھر کر لیتے ہیں اور ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔ احمد فراز کی شاعری کا خمیر عشق مجازی سے اُٹھا ہے جو فراز کے یہاں ایک قوت کے طور پر نظر آتا ہے۔ عشق کے اسی جذبے سے فراز نے ایک ایسا خواب بُنا جو انسانی زندگی کے حق میں بہتری کا سامان فراہم کرتا ہے۔ فراز کے یہاں عشق اُس جذبے کا نام ہے جس کی بدولت دُنیا کی ہر جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ عشق کے تعلق سے فراز کا خیال ہے کہ عشق مجازی کے جذبے کی شدت ہی سے دیگر اُمور حیات کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ اس لیے جو شخص عشق نہیں کر سکتا وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ عشق میں خود کو لُٹا دینے کے درس کو عام کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔ انہوں عشق کے موضوع کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ احمد فراز کی شاعری جذبہ عشق کے موضوع پر اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ لُٹ چکے عشق میں اِک بار تو پھر عشق کرو
کس کو معلوم کہ تقدیر سنور بھی جائے[۵۶]

☆

عشق نام انتہاؤں کا
اس سمندر میں اعتدال کہاں[۵۷]

☆

عشق کیسا کہاں کا عہد فراز
گھر بسائے ہوئے ہیں ہم دونوں[۵۸]

☆

تو خدا ہے نا میرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انسان ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں[۵۹]

جمال احسانی نے عشق کے موضوع کو ایک نیا رنگ روپ تازگی دلکشی اور تابنا کی سے ادا کیا ہے۔ ان کی آواز اپنے ہم عمروں میں سب سے الگ سب سے جُدا اور منفرد ہے جیسے سینکڑوں صداؤں کے درمیان بھی پہچانا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی لفظیات سب سے جُدا ہیں۔ جذبہ عشق پر جمال کے اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ جُز عشق کسے ملی یہ توفیق
جو پایا اُسے گنوا دیا ہے[۶۰]

Scanned with CamScanner

ناکامیوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا
ہم نے ترے حصول کو مقصد بنا لیا[۶۱]

☆

عشق میں خود سے محبت نہیں کی جاسکتی
ہر کسی کو یہ نصیحت نہیں کی جاسکتی[۶۲]

☆

ان دنوں عشق سے معطل ہوں
نصف تنخواہ پر گزارہ ہے[۶۳]

☆

میں وہ نادہندہ کہ لمحات عشق
کہیں سے اُدھار نہیں مل رہے[۶۴]

احمد فراز نے جذبہ عشق کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ انسانی رشتوں میں عام پر رشتوں کی بنیاد کے دو پہلو ہوتے ہیں دوستی و دشمنی، فراز نے دشمنی جیسے رشتوں میں بھی عشق کے پہلو نکال کر یہ ثابت کیا کہ انسانی زندگی کو سب سے زیادہ پیار و محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ احمد فراز نے جذبہ عشق کو محبت اور خلوص کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فراز کے یہاں عشق اُن کی ذات کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ جمال احسانی کی غزل کا غالب موضوع عشق ہے۔ جمال احسانی کے ہاں جذبہ عشق پوری طرح زندہ اور متحرک قوت کے طور پر موجود ہے اس لیے ان کی غزل میں اس مدد سے پیدا ہونے والے مضامین اپنے اندر تازگی کا عنصر لیے ہوئے ہیں۔ جمال احسانی کے نزدیک عشق سادگی ہے چالاکی نہیں۔ ان کے نزدیک عشق میں وفا نہیں تو وہ ہوس کا دوسرا نام ہے سو اہل عشق کے پاس وفا کے سوائے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ جمال احسانی اور احمد فراز نے اپنے اپنے انداز میں جذبہ عشق کی وضاحت کی ہے۔

جمال احسانی نے جدید شعرا میں اپنی الگ شناخت قائم کی انہوں نے اپنی شاعری میں جدید لفظیات سے الگ راہ بنائی ان کی شاعری کو سینکڑوں صداؤں کے درمیان پہچانا جاسکتا ہے یہی بات جمال احسانی کو انہیں ان کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

حوالہ جات

۱۔ خاور اعجاز، نیرنگ غزل دور متاخرین (باقی صدیقی تا احمد فراز)، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت دوم، فروری ۲۰۱۸ء)، ص: ۵۰

۲۔ صائمہ ناز، خوشبو ایک تاثر، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص: ۶۵

۳۔ شبنم شکیل، خواتین کی شاعری میں عورتوں کے مسائل کی تصویر کشی، (اسلام آباد: وزات ترقی وخواتین، اشاعت ۲۰۰۵ء)، ص: ۱۴۵

۴۔ پروین شاکر، ماہ تمام، (دہلی: عفیف آفسیٹ پرنٹرس، اشاعت ۲۰۰۸ء)، ص: ۴۷

۵۔ ایضاً، ص: ۲۰۷

۶۔ ایضاً، ص: ۹۹

۷۔ ایضاً، ص: ۴۳

۸۔ ایضاً، ص: ۱۰۵

۹۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء)، ص: ۲۹

۱۰۔ ایضاً، ص: ۳۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۰۴

۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۱۰

۱۳۔ ایضاً، ص: ۲۶۰

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۳۳

۱۵۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، نقوش غزل نمبر، (لاہور: اُردو بازار، اشاعت سوم، ۱۹۸۵ء)، ص: ۵۸۰

۱۶۔ علی احمد فاطمی، ڈاکٹر، فکر و فلسفہ کا شاعر جون ایلیا، مشمولہ ماہنامہ ایوان اُردو، دہلی، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۰

Scanned with CamScanner

۱۷۔ جون ایلیا، فرنود، مرتبہ: خالد احمد انصاری، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص: ۲۱

۱۸۔ محمد شہباز، کلام جون میں رنگِ استفہام ، مشمولہ ماہنامہ ادبِ لطیف، لاہور، اشاعت ۲۰۰۹ء، ص: ۲۳

۱۹۔ جون ایلیا، شاید، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، اشاعت دوم، ۱۹۹۰ء)، ص: ۳۰۳

۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۷۸

۲۱۔ ایضاً، ص: ۲۱۸

۲۲۔ ایضاً، ص: ۱۹۳

۲۳۔ ایضاً، ص: ۲۱۹

۲۴۔ جون ایلیا، یعنی ، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص: ۷۲

۲۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۷۹

۲۶۔ ایضاً، ص: ۱۰۵

۲۷۔ ایضاً، ص: ۶۳

۲۸۔ ایضاً، ص: ۳۵۹

۲۹۔ ایضاً، ص: ۲۶۲

۳۰۔ ایضاً، ص: ۲۴۰

۳۱۔ اشفاق حسین، فیض شخصیت اور فن ، (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، اشاعت اوّل، ۲۰۱۶ء)، ص: ۲۲

۳۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، معاصر ادب، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، اشاعت ۱۹۹۶ء)، ص: ۲۲۰

۳۳۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، (لاہور: مکتبہ کارواں کچہری روڈ، اشاعت مارچ ۱۹۸۴ء)، ص: ۷۷

۳۴۔ ایضاً، ص: ۱۳۲

۳۵۔ ایضاً، ص: ۳۴۶

۳۶۔ ایضاً، ص: ۶۸

۳۷۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، ص: ۳۲

Scanned with CamScanner

۳۸۔ ایضاً،ص: ۴۴

۳۹۔ ایضاً،ص: ۵۸

۴۰۔ ایضاً،ص: ۲۱۳

۴۱۔ ایضاً،ص: ۳۹۳

۴۲۔ ارشد نعیم، سلیم کوثر شخصیت اور فن ، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، اشاعت ۲۰۱۸ء)، ص: ۴۸

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً،ص: ۲۲۳

۴۵۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، اُردو غزل کا تکنیکی ہیتی اور عروضی سفر،ص: ۳۰۲

۴۶۔ ارشد نعیم، سلیم کوثر شخصیت اور فن،ص: ۸۵

۴۷۔ ایضاً،ص: ۹۳

۴۸۔ ایضاً،ص: ۹۹

۴۹۔ ایضاً،ص: ۱۰۳

۵۰۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۱۳۷

۵۱۔ ایضاً،ص: ۵۱

۵۲۔ ایضاً،ص: ۳۱

۵۳۔ ایضاً،ص: ۲۶

۵۴۔ ایضاً،ص: ۲۹

۵۵۔ وہاب اشرفی، تاریخ ادب اُردو، (نئی دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، اشاعت ۲۰۰۳ء)،ص: ۱۶۶

۵۶۔ فاروق ارگلی (مرتبہ)، کلیات احمد فراز، (دہلی: فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اشاعت سوم، ۲۰۱۰ء)،ص: ۹۹

۵۷۔ ایضاً،ص: ۲۰۱

۵۸۔ ایضاً،ص: ۳۶۷

Scanned with CamScanner

۵۹۔ ایضاً،ص: ۱۷

۶۰۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی،ص: ۹۲

۶۱۔ ایضاً،ص: ۲۰۔۲۱

۶۲۔ ایضاً،ص: ۳۱

۶۳۔ ایضاً،ص: ۳۴۱

۶۴۔ ایضاً،ص: ۴۰

☆☆☆

Scanned with CamScanner

محاکمہ

Scanned with CamScanner

محاکمہ

کسی بھی شاعر کی انفرادیت کا مطالعہ دراصل اس کے اُسلوب کی ان خصوصیات کا مطالعہ ہوتا ہے جن کی مدد سے ہم اس کے فن کے ان بنیادی حوالوں کو سمجھ سکتے ہیں جو اس کی فکری کلید قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اس مطالعہ سے ہم ان خصوصیات تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جو آوازوں کے اس جنگل میں اسے الگ شناخت فراہم کر رہی ہے۔ جدید اُردو غزل کے رجحان ساز جمال اپنی متنوع فکری جہات اور منفرد دلب و لہجہ کے باعث معاصر غزل میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ اُردو شاعری میں ان کی کتابیں انتہائی معروف اور ان کا کلام ہر دل عزیز ہے۔ اُردو شاعری میں جمال احسانی کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ ان کے بہت سے اشعار زبان زد خواص عام ہوئے۔ تخلیقی وفور سے سرشار اور بے ساختہ لہجہ انہیں مفرد اُسلوب کا حامل شاعر بنا دیتا ہے۔ ان کی شخصیت اور شاعری کے مطالعے سے ان کی اصول پسندی اور فطری صداقت کا احساس ہوتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی سے شروع ہونے والا اُن کا تخلیقی سفر اپنی نصف صدی پوری کرنے کے بعد بھی کسی اضمحلال اور فرسودگی کا شکار نہیں ہوا۔ تخلیقی سطح پر ان کی مسلسل فعالیت ان کے اُسلوب اور شخصیت کے عظیم زاویوں کو روشن کر رہی ہے۔ اکیسویں صدی کی غزل کے اجتماعی اسلوب کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا کہ اس میں جمال احسانی کی غزل کے بعض زاویے بطور خاص نمایاں ہوئے ہیں اور یوں اُن کا فکر و اُسلوب نئی نسل کے فن کا حصہ بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اُردو غزل کے روایت و ارتقا کے تناظر میں دیکھا جائے تو جمال احسانی ایسے غزل گو کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنے فکری رویوں کی بدولت اپنے ہم عصروں سے بہت مختلف ہیں۔ جمال احسانی کی غزل اپنے عصری رجحانات اور فکری محرکات کی روشنی میں قاری کو اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے ان کی غزل کا براہِ راست تعلق انسانی زندگی سے استوار ہے۔ وہ اپنی اصلی زندگی سے مشاہدات اور تجربات اخذ کر کے اپنا شعری جہان آباد کرتے ہیں۔ ان کی شاعری زندہ تجربوں کا ایسا اشاریہ ہے جس سے ان کی غزل کے فکری خدوخال سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جمال احسانی کا یہی وصف ان کی فکری جہان کو ایک قاری سے لیے موثر بناتا ہے۔ جمال احسانی کی غزل جدید منظر نامے سے ابھرتی ہے۔ ان کی غزل میں ان کا انفرادی مزاج ان کے عہد کے تجربات عصری مسائل سماجی ذوایئے اور تخلیقی رجحانات کا تخلیقی اظہار ملتا ہے۔ اور اس

Scanned with CamScanner

تخلیقی اظہار کی انفرادیت انہیں جدید غزل میں اعلیٰ مقام فراہم کرتی ہے۔ جمال احسانی کی غزل میں فکری جہات کا دائرہ وسیع ہے۔ ان کی غزل ان کی شخصیت کا بھرپور عکس ہے۔ انہوں نے جس انداز اور جس ماحول میں زندگی گزاری شعر اُس کی سچی ترجمانی کرتے ہیں۔ بے گھری، بے روزگاری، جذباتی وابستگیاں، محفل آرائی، سفر پسندی، صحت اور بیماری، نفسیاتی الجھنیں، الغرض پوری زندگی ان کے اشعار میں جلوہ گر ہے۔ جمال احسانی کی یہی سادگی اور عاجزی اُن کی پوری شاعری میں نظر آتی ہے۔ جمال احسانی کے ذاتی حالات اس کی شاعری پر بھی اثر انداز ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری میں حساسیت محرومی پچھتاوے محرومی اور تھکن نظر آتی ہے مگر کسی منفی پہلو سے نہیں بلکہ اس پر ہونے والی واردات کے ردعمل کے نتیجے کے طور پر وہ منفی جذبات کو اپنے اُوپر طاری نہیں کرتے بلکہ ان سے آگے نکل کر ایک اُمید اور حوصلہ تلاش کرتے ہیں۔ جمال احسانی نے اپنی شاعری میں ذاتی تجربات کو اس طرح ضم کیا ہے کہ اس کی شاعری اس کی زندگی کی کہانی بن کر سامنے آتی ہے۔ ان کی شاعری روایتی مصالحہ چیزوں سے پاک ہے۔ جس سے اس قد اس کے ہم عصروں سے بڑ جاتا ہے۔ جمال احسانی کا شعری سفر ان کے مجموعہ کلام ''ستارہ سفر'' سے شروع ہوا۔ ناقدین کی پسندیدگی سے قطع نظر یہ مجموعہ اُردو شاعری میں ایک نہایت معتبر اضافہ تھا۔ ہر غزل ہر شعر جمال احسانی کے فن کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ان کے اس مجموعے کو قارئین شعر وسُخن نے نہ صرف پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا بلکہ ناقدین فن و ہنر اور مشاہیران اُردو ادب نے دادوتحسین بھی نوازا۔ اس مجموعہ کلام سے جمال کے تابناک شعری مستقل لوگوں سے چھپانہ رہا۔ اس وقت کے مشہور اور معروف شعراء کرام جن میں احمد ندیم قاسمی، پروین شاکر، ساقی فاروقی، ریاض احمد شاہ، وغیرہ نے شرکت کی۔ ان کے دیگر مجموعوں میں ''رات کے جاتے ہوئے'' اور ''تارے کو مہتاب کیا'' نے جدید شاعری کی روایت میں اہم سنگِ میل ثابت ہوئے۔ جمال کی غزل میں سارے دُکھ اس کی زمین سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس میں محبت کا دُکھ بھی ہے۔ بے گھری کا احساس بھی۔ گھر اس کا آغاز بھی ہے اور انجام بھی۔ وہ ایک گھر سے ہجرت کرنے پر مجبور ہے ایک میں عرضی قیام وقتی تسلی اور حوصلے کی دلیل ہے۔ ایک گھر اس کے خوابوں میں تعمیر ہو رہا ہے۔ جمال احسانی نے اپنی غزل میں محبت، یاد، تنہای، عشق، ہجرت، ہجر، بے گھری، ظلم و استحصال ذاتی مسائل مظاہر فطرت کی عکاسی حُسن ان سبھی موضوعات کو اپنی غزل کا موضوع سخن بنایا ہے۔ ان موضوعات کو جمال احسانی نے منفرد اور اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔ جمال احسانی جدید شعراء میں ایک ایسے غزل گو کے طور پر سامنے آتے ہیں جنہوں نے اپنی غزل میں فنی اور اسلوبیاتی پہلوں کی بدولت ناقدین اور قارئین کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ اُردو غزل میں انفرادیت پیدا کرنا ایک مشکل

Scanned with CamScanner

کام ہے تاہم جمال احسانی نے اپنی فنی صلاحیتوں کی بدولت اسلوبیاتی حوالوں سے غزل میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کیا۔ ان کی شاعری تمام مروجہ اور اُسلوبیاتی پہلوؤں سے مزین ہے۔ انہوں نے اپنی غزل میں فنی اور اُسلوبیاتی حوالوں کو بہت اہمیت دی۔ ان کی غزلیہ شاعری اپنے فنی و اسلوبیاتی محاسن کے اعتبار سے بہت وسیع اور جُداگانہ اسالیب کی حامل ہے۔ انہوں نے اپنی غزل میں فکر و احساس کے سرمائے کے ساتھ ساتھ اپنے فن کو بھی انفرادیت کے ساتھ برتا۔ ان کے فنی محاسن ان کی غزل کو ایک نیا ذائقہ دینے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں کیونکہ کسی فن پارے میں زبان و بیان محاورہ بندی تلمیحات کے استعمال کے علاوہ علامت نگاری اور عروضی نظام بھی اپنا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام پہلوؤں کو اپنی غزل میں منفرد انداز میں استعمال کیا ہے۔ جمال کی شاعری جہاں فکری سطح پر بلند مقام رکھتی ہے۔ وہاں اعلیٰ فنی خوبیاں بھی اس میں موجود ہے۔ ان کا اُسلوب شریں اور شُستہ ہے۔ زبان اور اظہار کے مطالب پر انہیں بے پناہ قدرت حاصل تھی جس کا اعتراف ان کے ہم عصر شعرا بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جو زبان استعمال کی وہ سادہ اور مانوس ہے اور ان کے مزاج کی سادگی کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ان کی شاعری کئی دلوں کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی جس اسلوب غزل کو فروغ حاصل ہوا اس میں اپنی اصل سے وابستہ رہنے کا احساس بہت قوی ہے۔ پاکستان کا قیام جن حالات اور مقاصد کے تحت عمل میں آیا ان کا تقاضا تھا کہ نئے ادب میں انہیں خصوصیات سے اُجاگر کیا جائے۔ شاعروں کی وہ نسل جن کی پیدائش تقسیم کے آس پاس ہوئی ان کی شاعری میں پاکستانیت کا علم بلند نظر آتا ہے۔ افتخار عارف، پروین شاکر، ثروت حسین، جمال احسانی، احمد فراز، سلیم کوثر، غلام حسین ساجد وغیرہ ایسے نام جنہیں صحیح طور پر پاکستانی غزل گو کیا جا سکتا۔ جمال احسانی کی شاعری میں وہ تمام رنگ ہیں جو مذکورہ دیگر غزل گوؤں کے ہاں بکھرے نظر آتے ہیں۔ تخصیص کے ساتھ ہم جمال احسانی کی شاعری میں جو اُسلوب و انداز نمایاں دیکھتے ہیں وہ روایت اور زبان و بیان سے استفادہ کے ساتھ ساتھ جدید تر احساسات و خیالات کی نمود ہے۔ فنی طور پر بھی غزل اس کی دسترس میں نئے اور نئی سوچ کے حوالے سے بھی رنگا رنگ جلوہ آرائی کا سماں قابل دید ہے۔ مجموعی طور پر جمال احسانی کی غزل کا جائزہ لیا جائے تو نا وہ ترقی پسند ہے۔ نا رومانوی نا ان کی فکر حلقہ ارباب ذوق کے زیر اثر ہے اور نا لسانی تشکیلات کی چھاپ دیکھائی دیتی ہے۔ المختصر جمال احسانی نے اپنے معاصرین میں اپنی الگ شناخت قائم کی۔ جمال احسانی کے کلام میں فکری و فنی اور اسلوبیاتی انفرادیت پائی جاتی ہے۔ جو انہیں ان کے ہم عصر شعراء میں منفرد و ممتاز کرتی ہے۔ ان کا کلام شعری جمالیات سے مزین ہے اُس کی مثال اُن کے معاصرین کے یہاں کم ملتی ہے۔

Scanned with CamScanner

کتابات

Scanned with CamScanner

کتابیات

۱۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔

۲۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر، پاکستانی اُردو غزل کا اجمالی جائزہ، لاہور: ماہ نو گولڈن جوبلی نمبر۔

۳۔ ادیب، مرزا (مرتبہ)، تنقیدی مقالات، لاہور، اشاعت ۱۹۶۴ء۔

۴۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، اُردو غزل کا تکنیکی ہیتی اور عروضی سفر، لاہور: مجلس ترقی ادب۔

۵۔ ارشد نعیم، سلیم کوثر شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، اشاعت ۲۰۱۸ء۔

۶۔ اشفاق حسین، فیض شخصیت اور فن، کراچی: پاکستان سٹڈی سنٹر، اشاعت ۲۰۱۴ء۔

۷۔ انور جمال، ادبی اصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت چہارم، ۲۰۱۷ء۔

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز۔

۹۔ پروین شاکر، ماہ تمام، دہلی: عفیف آفسیٹ پرنٹرس، اشاعت ۲۰۰۸ء۔

۱۰۔ توصیف تبسم، انتخاب کلام ناصر کاظمی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت اوّل ۲۰۱۰ء۔

۱۱۔ جابر علی سید، استعارے کے چار شہر، ملتان: بیکن ہاؤس، اشاعت ۱۹۹۴ء۔

۱۲۔ جمال احسانی، تارے کو مہتاب کیا، کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۹۵ء۔

۱۳۔ جمال احسانی، رات کے جاگے ہوئے، کراچی: سندھ آفس پریس، اشاعت ۱۹۸۶ء۔

۱۴۔ جمال احسانی، ستارہ سفر، کراچی: تعمیر پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۸۲ء۔

۱۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال احسانی، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۷ء۔

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء۔

۱۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، معاصر ادب، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، اشاعت ۱۹۹۶ء۔

Scanned with CamScanner

۱۸۔ جون ایلیا، شاید، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، اشاعت دوم، ۱۹۹۰ء۔

۱۹۔ جون ایلیا، فرنود، مرتبہ: خالد احمد انصاری، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔

۲۰۔ جون ایلیا، یعنی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، اشاعت دوم، ۱۹۹۳ء۔

۲۱۔ خاور اعجاز، نیرنگ غزل دور متاخرین (باقی صدیقی تا احمد فراز)، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت دوم، فروری ۲۰۱۸ء۔

۲۲۔ سائرہ غلام نبی، مخاطب (شعراء سے مکالمہ)، فیصل آباد: مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پورہ بازار، اشاعت اوّل جنوری ۲۰۱۰ء۔

۲۳۔ سلیم احمد، تارے کو مہتاب کیا، کراچی، لاہور، اسلام آباد: تقریب رونمائی، ہم سخن رائٹر فورم۔

۲۴۔ شاکر کنڈان، نعت گویان، سرگودھا، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۶ء۔

۲۵۔ شبنم شکیل، خواتین کی شاعری میں عورتوں کے مسائل کی تصویر کشی، اسلام آباد: وزرات ترقی وخواتین، اشاعت ۲۰۰۵ء۔

۲۶۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، شاعری اور شاعری کی تنقید، کراچی: اُردو دُنیا، ۱۹۶۵ء۔

۲۷۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اُردو نظم نظریہ و عمل، ملتان: بیکن بکس، اشاعت ۲۰۱۴ء۔

۲۸۔ عنوان چشتی، ڈاکٹر، آزاد غزل ۔ ایک تجربہ (مضمون)، آزاد غزل کی شناخت کی حدوں میں، مرتب: علیم صبا نویدی۔

۲۹۔ غلام حسین ساجد، نئی پاکستانی غزل ۔ نئے دستخط، لاہور: پوسٹ بکس ۱۱۹۷۔

۳۰۔ غوث متراوی، کہانی مختصر کوئی نہیں ہے، کراچی: ظہوریہ اکیڈمی، اشاعت جولائی ۲۰۰۳ء۔

۳۱۔ فاروق ارگلی (مرتبہ)، کلیات احمد فراز، دہلی: فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اشاعت سوم، ۲۰۱۰ء۔

۳۲۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں کچہری روڈ، اشاعت مارچ ۱۹۸۴ء۔

۳۳۔ محمد افتخار شفیع، ڈاکٹر، اُردو غزل میں سراپا نگاری، لاہور: گنج شکر پریس، ۲۰۱۷ء۔

۳۴۔ نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، دہلی کا دبستان شاعری، لکھنو: اتر پردریش اُردو اکادمی، ۱۹۹۷ء۔

Scanned with CamScanner

۳۵۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن۔

۳۶۔ وہاب اشرفی، تاریخ ادب اُردو، نئی دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، اشاعت ۲۰۰۳ء۔

۳۷۔ یوسف حسین خاں، اُردو غزل، دہلی: مکتبہ جامع دہلی، اشاعت ۱۹۵۲ء۔

رسائل:

۱۔ ادبِ لطیف، لاہور، ۱۹۶۴ء۔

۲۔ ایوان اُردو، ماہنامہ، دہلی، ۲۰۱۳ء۔

۳۔ سر گذشت، مدیر: انور فراز، جلد ۸، شمارہ ۷، کراچی، ۲ مئی ۱۹۹۸ء۔

۴۔ فنون، شمارہ ۱۹ اگست ستمبر ۱۹۸۳ء۔

۵۔ قومی زبان، کراچی، ۲۰۰۲ء۔

۶۔ ماہ نو، گولڈن جوبلی نمبر، لاہور۔

۷۔ نقوش، غزل نمبر، لاہور: اُردو بازار، اشاعت سوم، ۱۹۸۵ء۔

اخبارات:

۱۔ جسارت (سنڈے میگزین)، روزنامہ، ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء۔

۲۔ جنگ، روزنامہ، کراچی، اشاعت ۲۲ فروری ۱۹۹۸ء۔

۳۔ خبریں (ادبی ایڈیشن)، روزنامہ، اسلام آباد، ۲۷ نومبر ۱۹۹۷ء۔

۴۔ دُنیا (اسپیشل فیچر)، روزنامہ، ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء۔

انٹرویوز:

۱۔ راقم کا ہلال عثمانی سے انٹرویو، بتاریخ ۵ مارچ ۲۰۲۰ء، کراچی: گلستان جوہر، دن ۸ بجے۔

۲۔ راقم کا اعتبار ساجد سے انٹرویو، بتاریخ ۱۰ مارچ ۲۰۲۰ء، لاہور: جی سی یونیورسٹی، دن ۱۰ بجے۔

۳۔ راقم کا ڈاکٹر فاطمہ حسن سے انٹرویو، لاہور: بمقام الحمرا آرٹس کونسل، بتاریخ ۸ مارچ ۲۰۲۰ء، دن ۱۱ بجے۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner